

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اہل السنۃ والجماعۃ

تحریر: محمد بن عبد الوہاب

حضرت علامہ سید سلیمان ندوی

مجلس نشریات اسلام

۱۔ کے۔ ۳ ناظم آباد مینشن ناظم آباد کراچی ۷۵

وَمَنْ ثَوَّتَ لِحُجَّةٍ فَقَدْ أَوْخِيزَ كَثِيرًا

اہل السنۃ والجماعۃ

اصطلاح کی لغوی و معنوی تشریح، اس کا تاریخی تعین، مذہب
کے اصولِ اولین کی تحقیق اور مقول و منقول کے اصولِ تطبیق پر توضیح

تحریر: اخلد بن عمر

حضرت علامہ سید سلیمان ندوی

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۱۳۷۲ھ

مجلس نشریات اسلام

۱۔ کے ۳۔ ناظم آبادی، کراچی ۱۹۵۱

پاکستان میں مجوز حقوق بلاعت و اشاعت
حق تلفی برقی ندری محفوظ ہیں

باقیات خصوصی علامہ مریوم کے صاحبزادے ڈاکٹر سید سلطان ندری صاحب

نام کتاب	ایں دانش و جرأت
تصنیف	علامہ سید سلیمان ندری
بلاعت	تشکیل پرنٹنگ پریس کراچی
اشاعت	۱۹۵۰ء
صفحات	۱۰۰ صفحات
ٹیلیفون	
DATE	

منشور

فصل برقی ندری

مجلس نشریات اسلام ۱۹۵۰ء تا ۱۹۵۱ء صدر انجمن نامہ آور کراچی

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان
۷	دیباچہ
۸	ایک سوال
۹	تہمید
۱۰	سنت و جماعت
۱۰	بدعت
۱۳	صلاح کے بعد فساد کیسے ہوتا ہے ؟
۱۵	جماعت کا فلسفہ
۱۹	اسلام میں جماعت شکنی
۲۳	اختلاف صحابہ اور مختلف فرقوں کی پیدائش
۲۳	اہل السنۃ یعنی مآثر فدا و مردہ
۲۸	اہل سنت کلام میں
۲۸	عرب اور عجم کے خصائص و مہنی
۲۹	کوفہ اور بصرہ کے شہر کیوں
۲۹	اختلافات کا سرگزینہ ؟

صفحہ	عنوان
۳۰	مشاجرات صحابہ کے بعد اختلاف افکار
۳۰	اہل السنۃ کا فیصلہ
۳۳	فروقوں کی پہلی تقسیم
۳۴	بنو امیہ کے دور میں مذہبی فرقوں کا ظہور
۳۵	فروقوں کا انتشار
۳۹	ضلالت کے طبعی اسباب
۴۹	خیال آرائی
۴۰	عقائد میں وسعت طلبی
۴۱	تاویل و تشابہات
۵۴	اشاعرہ، حنابلہ اور ماتریدیہ
۵۸	قدماء کے نزدیک اہل سنت کے معنی
۶۰	مسئلہ تقدیر یا جبر و قدر
۷۱	صفات
۷۲	قرآن
۷۴	استواء

سفر	عنوان
۷۶	بعض شبہات کا ازالہ
۸۰	اہل السنۃ کے عقائد صحیحہ
۸۰	عقائد کی افادیت
۸۱	اہل سنت کے عقائد
۹۶	ضمیمہ
۹۷	تشریح اصطلاحات

..

.

.

.

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دیباچہ

یہ رسالہ ایک مسلسل مضمون کی شکل میں پہلے معارف میں شائع ہوا تھا، بعد کو ٹکڑے میں یا اس کے پس و پیش احباب کے اصرار سے الگ رسالہ کی صورت میں چھپا، اور مقبول ہوا مدت سے یہ ناپید تھا، اور احباب آتے جاتے تھا کہ یہ دوبارہ چھپے، مگر چونکہ وہ عہد شباب کا لکھا ہوا تھا اس میں قلم کی تیزی، اور کہیں بھر کی شدت، اور کہیں برکت میں شوخی تھی اس لئے جی چاہتا تھا کہ اس پر نظر ثانی کی جائے، بعد اللہ کہ یہ فرصت کراچی میں ملی، نقد کچھل تحریر میں حکم و اصلاح کی گئی، اور آخر میں عقائد کی افادیت اور عقائد کی تفصیل کا اضافہ کیا گیا، تاکہ عام مسلمان اہل سنت کے صحیح عقائد سے واقف ہوں،

وہاں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے مسلمانوں کو مستفید فرمائیں،

آمین

والسلام

سید سلیمان ندوی

وزارت حکومت کراچی

۲۰ شوال ۱۳۶۱ھ

ایک سوال

قوموں، ملکوں اور جمہازا افسرہ ادا انسانی کی تاریخ بڑی دلچسپی سے پڑھی جاتی ہے اور مصاف نظر آتا ہے کہ وہ کیا تھے اور کیا ہو گئے لیکن کبھی اس پر بھی تم نے غور کیا کہ الفاظ کی بھی کوئی تاریخ ہو سکتی ہے کیا قوموں، ملکوں اور انسانوں کی تاریخ ان میں بھی انقلابات کا مدور ہر ہے جس سے دنیا کا ایک ذرہ بھی سسٹن نہیں؟

(قصہ سیر عوامہ ندوی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ
الْمُرْسَلِیْنَ وَآلِهِ وَاصْحَابِهِ اَجْمَعِیْنَ

تجھمیدِ مسلمانوں میں ہر دور میں سیکڑوں فرقے پیدا ہوئے،
لیکن نہ نقشِ بر آب تھے، نہ بھرے اور بٹ گئے، لیکن جو فرقہ عمومِ اہل
کثرت کے ساتھ باقی ہے، اور آج مسلمان آبادی کا شیر حصہ بن کر
ان فِی عالم میں پھیلا ہے وہ فرقہ "اہل سنت والجماعت" ہے، ماحظ
ہے اہل سنت کے معنی ہندوستان میں یہ سمجھے جاتے ہیں کہ جو شیعہ نہ
ہو، لیکن اس کا اثبات پہلو نہیں ہے نہ تو منطقی پہلو ہے۔ ضرورت
ہے کہ اس کی حقیقت کو پوری طرح سمجھا جائے، اس لیے ہم کو اہل السنۃ
والجماعہ کے ایک ایک لفظ کے معنی پر غور کرنا چاہیے۔

سُنَّت و جماعت : "اہل سنت والجماعت" میں لفظوں سے
رکب ہے، اہل کے معنی اشخاص، متقلدین، اتباع اور پیروکے یہاں
ہیں "سنت" عربی میں راستہ کو کہتے ہیں اور مجازاً اصول، مشرہ، وعظما
زندگی اور طرز عمل کے معنی میں یہ لفظ آتا ہے، جبکہ قرآن مجید میں یہ
لفظ متعدد دفعہ انہیں معنوں میں آیا ہے، فرمایا ہے۔

اَنْ تَجِدَیْ سَبَقَ اللّٰہِ تَبٰی اٰیلاً۔ اللہ کی سنت میں تم تبدیلی

مذاہف کے۔

۱۰۰ تَحْمَدُ بِسْمِ اللّٰهِ تَحْمِيْلًا . اللہ کی سنت میں تم تبدیل فرمادو گے

سَلَّمَ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ، ان کا راستہ جو چاہتے تھے،

اسی طرح احادیث میں سنت کا جو لفظ آتا ہے، اس کے معنی حضور انور

میلہ الصلوٰۃ والسلام کے اصولی مفروضہ اور طرز عمل کے ہیں۔ اس لیے

اصطلاح دینی میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے زندگی اور

للمعنی عمل کو "سنت" کہتے ہیں جماعت کے لغوی معنی تو گروہ کے ہیں

لیکن یہاں جماعت سے مراد جماعت صحابہؓ ہے، جس نے فطرتِ حق سے

اہل سنت والجماعہ کی حقیقت بھی واضح ہوتی ہے، یعنی یہ کہ اس فرقہ

۱۱: اطلاق ان اشخاص پر ہوتا ہے جن کے اعتقادات اعمان اور مسائل

انحوریہ غیبیہ السلام کی سنت صحیحہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اثر سادک

ہے، مابوں سکھنے کے جنسوں نے انے عقائد اور اصول جرات اور عوازم

فہرست میں اس راہ کو مستند کا حصہ پر رسول مقبول علی الصلوٰۃ والسلام علیہ

مطہر سے باور آئے کہ یہ آج کے صبح کے چھ بجے کے قریب تھا۔

میں نے اپنے آپ کو بے پروا کر دیا۔

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَمْرِو بْنِ دَاوُدَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَنْ كَانَتْ لَهُ نَفْسٌ مِثْلُ نَفْسِي فِي حَقِّهِ فَلْيُغْنِ عَنْهُ»

[illegible]

وہاں سے لوگوں کو روک کر ان کے لئے دعا کی اور ان کے لئے دعا کی۔

نے نہ فرمائی ہو اور نہ اُن کے کسی حکم یا فعل سے اس کا منشاء ظاہر ہوتا ہو اور نہ اس کی نظیر اس میں ملتی ہو، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے ان دو لفظوں کو انہیں معنوں میں مستعمل فرمایا ہے، اور کہیں نہ سنت کے بجائے "ہدئی" اور بدعت کے بجائے "محدث" فرمایا ہے لغت میں بھی یہ الفاظ مترادف ہیں، ہدئی طریقہ کو کہتے ہیں، اور محدث کے معنی "نیا"۔

صحیح مسلمہ میں آپ کا وہ خطبہ مذکور ہے جس کو دیتے ہوئے آپ کی آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں، آواز بلند ہو جاتی تھی، اور ہمیر غصہ تک

بعد اس کے بہترین حکم خدا کا کلام ہے
 اِنَّا بَعْدُ قَدْ كُنَّا نَحْمَدُكَ يَا كَرِيمُ
 بہترین طریقہ حمد کا طریقہ ہے۔ بہترین الفاظ
 اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَحْمَدُكَ بِحَمْدِكَ
 نئی باتیں ہیں، اور ہر نئی بات گمراہی ہے۔
 سنہ ۱۱۰۰ ہجری اور ۱۱۰۱ ہجری میں ہے۔

تسبیحکم بسمائیں و تسبیحکم انفسا
 یہ اظہار اور میرت بہایت یا تسبیح
 اَوَّلِ شَيْءٍ تَسْبِيحُكُمْ اَوَّلِ شَيْءٍ
 کا عین غایت و رُوح اس کو اچھی طرح
 عَيْنًا بِأَنَّهُ جَزْءٌ رَأْيَاكُمْ وَفَعْلًا
 پڑھتے رہو، اور اس کو امانت سے لے لے
 اَلَا تُؤْمَرُ فَاِنَّ كُلَّ مُحَدِّثٍ بِلَا عَمَلٍ
 رہو، یاں نئی باتوں سے بچنا، مرنی
 کُلُّ بِذَنْبِهِ مُتَلَاكٍ
 بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے،

ہو رہا ہے، تو زندگی اور ایمان، جبر میں ہے۔

ایک نام والہ تصانیف کا کل معائنہ نئی باتوں سے بچنا، جبر کی بات مگر کی ضرورت ہے۔

اس قسم کی دو تیس حدیث کی کتابوں میں کثرت سے یہی بات روایات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نئی بات کا لفظ، ستمان فرمایا ہے۔ اس کی تفصیل دوسرے موقعوں پر آگئی ہے، بخاری اور مسلم دونوں میں حضرت عائشہ سے مروی ہے۔

سنو حدیث فی امرہ ہذا ھا یس ہمد کے اس منہ بہ منہ یا معلوم میں جو منہ فہم سرد، یہی نئی بات داخل کر کے جو اس میں نہیں تو وہ بات مردود ہے۔

صحیح مسلم میں ہے۔

من مل علیہ یس علیہ امرہ جو کوئی، یہاں کا مکر کے گا جس پر ہمارا فہم سرد

ہو رہا ہو کر رہا ہو، لفظ ہے۔

اس صنف امرہ علی غیر امرہ فہم جس نے ہمارے علم یا فہم کے خلاف کوئی کام کیا وہ ہے۔

ابن ماجہ حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو

تعمیر نہ کیا میں لائے ہیں صراط کی باتیں اب نے اپنی اُمت کو ڈھائی مذہب

کا جو لفظ فعل آپسے منہ میں فرمایا اس میں اہر سے اندازہ حدیث ہے اس سے بدعت کی حقیقت ظاہر ہوئی اور وہ یہ ہے کہ بدعتیں حق کے اندر کسی ایسی چیز کا اہر سے اضافہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اور بتائے ہوئے دین میں نہیں، اس کی اصل موجود ہے اور خاص کی فطرت وجود ہے اور نہ وہ قرآن و حدیث سے مستنبط ہے اور چونکہ دین کے ہر کام میں اجزاء و ثواب کا وعدہ ہے اس لیے جب کسی چیز کو دین یا داخل دین سمجھا جائے گا تو اس پر ثواب بھی مرتب سمجھنا ضروری ہے اس لیے اگر کوئی چیز بدعت ہو تو یقیناً وہ ثواب سے غافل ہوگی، ایک بوجہ اس کے مردود ہونے اور ضلالت ہونے کے اس کے کر لے سے ثواب کے بجائے گناہ ہی ہوگا، اب خود کہنے کہ مسلمہ نوں کے عقیدہ میں اٹھائیں، عبادات میں اور بھی وضادی و تخریجات میں جو مراسم ثواب سمجھ کر ادا کیے جاتے ہیں وہ کہاں تک موجب ثواب ہو سکتے ہیں۔

اس تشریح سے ظاہر ہوا کہ کسی نام کے بدعت قرار پانے کیلئے ضروری ہے کہ وہ اضافہ اور دین میں ہو، اگر وہ امور دین سے نہیں ہے تو وہ بھی تخریجات سے اس کو بدعت نہیں کہیں گے، مثلاً کسی نئی طرز کی کوئی عمارت بنائے، کوئی نئی مشین بنائے، کوئی نیا لہجہ کرے، نیکوں کے کسی نئے عمل کی ترقی کرے، کوئی نیا طریقہ علاج ایجاد کرے، وغیرہ۔

محبت رانہوں کی ایک جماعت چھوڑ جاتا ہے، جو اپنے نبی کے طور و طریق اور سنت سنیت کی پورے طور پر متبع ہوتی ہے اور ان کے بعد رفتہ رفتہ ایسے افراد ان کی جگہ لیتے ہیں جو اپنے نبی کی سنت اور طور و طریق سے دور ہوتے جاتے ہیں، اور وہی تباہی کا باعث ہوتے ہیں۔

جماعت کا فلسفہ اسلام کے اس حکم قطعی کے بعد کہ صاحب شریعت کی تعلیمات اور احکام پر کسی قسم کا اضافہ کرنا یا ان میں سے کسی جز کو ساقط سمجھنا سنت کی بے گہنی اور بدعت کی پرورش ہے، اہل سنت کے معنی واضح ہو جاتے ہیں، لیکن اس کے بعد دلچسپی کا لفظ سامنے آتا ہے اس لیے دلچسپی کی تفسیر بھی خود صاحب شریعت کی زبان سے سن لینی چاہیے۔

اسلام دنیا کے قطعوں کو شاکر تمام دنیا کی ایک ٹوٹی برادری قائم کرنے آیا تھا، دھڑا اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوا۔ اس نے عرب کے متفرق قبائل کو جو باہم دشمن یا کم از کم نا آشنا تھے، ان کی قبائلی تقسیم کو شاکر صرف جامعہ اسلام کے ایک رشتہ میں ان کو باہم متحد کر دیا، مجاہدین و انصار میں وہ اخوت پیدا کر دی کہ نفسی برادریاں اس کے آگے بڑھ گئیں۔

کسی قوم میں کوئی ترقی اس وقت تک نہیں پیدا ہو سکتی جب تک اس کے تمام افراد کسی ایک نقطہ پر باہم اس طرح مجتمع نہ ہو جائیں

کہ وہ غلط اجتماع، غلط زندگی کا، اصلی محور میں جانے، اس کا تحفظ، اس کی
 بقا، اس کا جوہر تمام افراد قوم کی زندگی کی غرض اصلی بن جائے، اُس
 وقت اس مجرد افراد کو ایک ملت کہہ جاسکتا ہے، اور وہی نقطہ اتحاد
 ان کا شیرازہ قومیت، رشتہ جامعیت اور رابطہ وحدت قرار پائے گا کسی
 قوم کی تباہی کا، اصلی سبب یہی ہوتا ہے کہ اس کی قومیت کی یہ گرہ کھن
 جاتی ہے، تمام مجتمع افراد اس طرح متفرق و منتشر ہو جاتے ہیں کہ ہوا کا
 ایک ادنیٰ جھونکاؤں کو بکھیر دیتا ہے۔

یورپ کے تمام متمدن ممالک کا جوہر جامعہ وطنیت کے اندر
 پوشیدہ ہے۔

ہندوستان کی عرق کی تمام کوششیں اُس وقت تک
 بے اثر رہیں گی جب تک اس کی تمام قوموں میں مذہب یا
 وطن یا زبان کس چیز کا نقطہ اتحاد پیدا ہو، اسلام نے اپنے سامنے
 دنیا کی مومن برادری رکھ دی ہے، وہ کسی ایک وطن کو یا کسی خاص خیراتی
 ملک کو صرف باہم متحد ہی نہیں کرنا چاہتا، بلکہ تمام دنیا کو متحد کر دینا
 چاہتا ہے تاکہ دنیا میں ایک عام امن و سلامتی پیدا ہو جائے موجود
 جنگ کے مصائب اسی غلطی کے نتائج ہیں، یورپ کا رشتہ اتحاد
 وطن یا نسل ہے، جس کا استعمال لا مارا صرف ایک محدود نسل یا خیراتی
 ملک پر ہوگا، اس لئے یورپ میں سکڑوں جامعیتیں پیدا ہو گئی ہیں۔

اس وقت انگریز جرمن سے نہیں لڑ رہا بلکہ انگلستان جرمنی سے لڑ رہا ہے۔

اسلام نے جغرافیائی اور نسلی امتیازات کو جن کے اندر کبھی تمام دنیا نہیں سما سکتی تھا کہ مذہب کو جامعہ ارتباطی اور رابطہ جامعیت قرار دیا، تاکہ دنیا کے جس حصہ اور انسانوں کی جن نسلوں تک بھی اس کا دائرہ وسیع ہو وہ ایک برادری کے اندر داخل ہو جائیں۔

اسلام نے باوازنہند کہا۔

﴿قَدْ آمَنَّا بِالْمُؤْمِنِينَ إِخْوَةً وَبِالْمُحَرَّمَاتِ﴾ مسلمان تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔
اسلام کے پیغمبر نے اس کی تفسیر میں کہا۔

ترجمہ المؤمنین فی تراجمہم و تواریخہم مسلمان باہمی رحم و محبت اور جہانی ہیں
کشف الخسب اذا اشتكى عضو تداعى اىک بدن کی طرح ہیں تو کہو کہ ایک عضو
لہ سائر العبد بالسهر والحنى۔ کوئی درد دہتا ہے تو تمام بدن بے خوابی
اور نپ کی دعوت ایک دوسرے کو دیتا۔
(بخاری و مسلم)

پھر فرمایا

المومن لهم من کائنات انفسهم
بعضہ بعضاً،
تمام مسلمان شل ایک دوسرے کے ہیں جن
کے ایک حصے کے ہمارے دوسرے حصے کا علم ہو جائے گا،

ارشاد ہوا

انفسہم اخوان المسلم لا یظلمہ لا۔
ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اس

بیتلہ (بخاری و مسلم) بطور مسلم کرنا اور اس کی امانت نہ کرنا
آپ نے فرمایا،

کل المسلم علی المسلم خرافہ و
مالہ و عرضہ (مسلم) ایک مسلمان کی دوسرے مسلمان پر آغیر
حرام ہیں مکانوں میں کھانا اور اس کی آبرو
ایک دوسرے آپ نے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

انصار اخلاص ظالما و مظلوما اپنے بھائی کی مدد کر خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم ہو
صحابہ میں سے ایک نے عرض کی مظلوم ہو تو عدد کروں گا لیکن ظالم
ہو تو کیوں کر عدد کروں، فرمایا، اس کی مدد ہے کہ اس کو ظلم سے باز رکھو۔
امت مسلمہ اسلامیہ کی اجتماعی زندگی کی نسبت فرمایا۔

ان الله لا یجعی امتی علی الضلالة
ویدفعہ علی جماعۃ و من شذ
شذ فی النار (ترمذی) اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر تہیج نہ کرے گا
خدا کا ہر جماعت پر ہے جو جماعت سے
لگے ہوا وہ دوزخ میں لگے ہوا دوزخی
میری امت تہتر فرقوں پر منقسم ہوگی، تہتر
دفعہ میں اور ایک جہنم میں اور
و جماعت ہوگی، و احد حق فی الجماعتہ،

انہیں مسکن کی احد بہت سی حدیثیں مروی ہیں، ان سے
اہل السنۃ کے بعد و الجماعتہ کی حقیقت واضح ہوتی ہے، قرآن پاک
کی اس آیت

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا ۖ وَاللَّهُ كَمَا تَسْتَوِي ۚ

کی یہ سب تفسیر میں ہیں۔ قرآن پاک کی ایک دوسری آیت ہے،
وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ۖ إِنَّ السُّبُلَ كَثِيرَةٌ مِّنْ دُونِ سَبِيلِهِ ۚ
اور نہ ہی گمراہی کی راہیں، پھر وہ تم کو ہٹا دیں گی
اور تم اس راہ سے ہٹ جاؤ گے۔ (انعام ۱۵۹) اللہ کی راہ ہے۔

اس آیت کی شرح اُس حدیث سے ہوتی ہے جس میں یہ مضمون
ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سیدھی لکیر کھینچی۔
اور پھر اس کے دائیں بائیں کھیریں کھینچیں۔ اور فرمایا کہ یہ سیدھی لکیر
تو صراطِ مستقیم ہے اور دائیں بائیں کی سب لکیریں (انسانی) ہیں، بعض نفع
صحابہ نے پوچھا، یا رسول اللہ! وہ صحیح راہ کیا ہے، فرمایا،

وَاللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۚ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ ۚ لِّهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۚ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَ أَيْدِيهِمْ وَلَا يُحِيطُ بِشَيْءٍ إِلَّا بِمَا شَاءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ۚ

یہ فرقہ خود صحابہ کے اخیر عہد میں پیدا ہو چکے تھے۔ سب سے
پہلے حضرت عثمانؓ کے ملکی طرزِ عمل اور سیاسی انتظامات کی بنا پر دو فرقوں
کا ظہور ہوا۔ ایک ان کا حامی اور طرفدار تھا۔ اور دوسرا ان کا مخالف تھا۔
پہلا فرقہ تاریخ میں عثمانیہ کہلاتا ہے، اور دوسرے کا نام سبائیہ

ہے، وہی سہا ایک یہودی نو مسلم تھا، جس نے حضرت عثمانؓ کے مخالفین کو ایک غیرانہ میں مجتمع کیا تھا، عثمانیہ خالص عرب تھے۔ سبائے عرب و عجم دونوں عنصر شامل تھے، ان دونوں قروں کے خالص طبعی بالکل مختلف ہیں، عرب تلوار کے دھنی ہیں اور اہل عجم باتوں باتوں میں کام نکالنے کے مادی ہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دو ہی میدانوں کے بعد یہ فرقہ دو حصوں میں منقسم ہو گیا، ایک نے اپنے لئے علوی یا شیعی کا لقب پسند کیا، اور دوسرا خوار سمجھنے کے نام سے مشہور ہوا۔ پہلے ان کو عواماً خور سمیہ کہا جاتا تھا، اور وہ ایک مقام کا نام تھا، جہاں اس فرقہ نے اپنی علیحدہ ہستی کا سب سے پہلے اعلان کیا، یہ تمام عرب تھے اور نظریہ سابق کے مطابق اس نے اپنے دعووں کا دوڑ ڈھائی سو برس تک ہمیشہ تلواروں کے زریعہ سے اعلان کیا اور کبھی اس نے غلغلے مہم کے سامنے سرِ اطاعت خم نہ کیا۔

علویہ میں عرب کمتر لیکن اہل علم کا بڑا حصہ شامل تھا، اسی لیے آخر کار حضرت تلوار کے بجائے سازشوں کا مادہ فطرۃ نادم تھا، اور جو عرب تھے وہ اپنی وفاداری پر قائم تھے، انکار کا ایک حصہ علوی تھا اور بعض محدثین بھی علوی تھے، یعنی حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ سے افضل جانتے تھے۔

فرقہ عثمانیہ سو برس تک نبوتِ مدنی کی زندگی کے ساتھ قائم رہا

بعض بعض صواب اور بعض اکابر محدثین اس فرقہ میں داخل تھے، اسکا ارجاں
میں بعض محدثین کے حالات کے ضمن میں اس کی تصریح ملتی ہے، کہ وہ عثمانی
یعلوی تھے، لیکن بنو امیہ کے زمانہ کے بعد اس فرقہ کا نام و نشان تک
نہ رہا۔

ان فرقوں نے تھوڑے دن کے بعد ملک کی جزا خانی تقسیم
کر لی، عثمانیہ شام میں، علویہ اور حروریہ عراق میں، اور اہل السنۃ مجاز میں
ابتداءً ختمانیہ اور علویہ میں صرف اسی قدر فرق تھا کہ عثمانی حضرت عثمانؓ
کو حضرت علیؓ سے افضل سمجھتے تھے، اور علویہ حضرت علیؓ کو ان سے
بہتر جانتے تھے، شیعیان کی فتنیلہ پردوئوں کو اتفاق تھا، لیکن رفتہ
رفتہ عثمانیہ ناچھبہ ہو گئے، یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو علی الاعلان
نعوذ باللہ برا کہنے لگے، لامحالہ اس کا رد عمل ہونا ضرور تھا، علویہ نے نہ صرف
بنو امیہ کو بلکہ غلطے اتولین کو بھی برا کہنا شروع کیا، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ
علویہ کا یہ فعل بہت بعد میں شروع ہوا، کیونکہ صحاح کی کتابوں میں بنو امیہ
کی ان شہرتوں، اور خوارج کی بدعتیہ گویوں کی تردید صحابہ کی زبان سے
مصرح مذکور ہے، لیکن علویہ کی نسبت ان کا کوئی حرف میری نظر سے
نہیں گذرا۔

ہم نے لکھا ہے کہ ان سیاسی اختلافات نے مذہبی اختلافات
کی بنیاد قائم کی، سب سے پہلا سوال یہ پیدا ہوا کہ جو لوگ جنگ

جمل دُصلین و غیرہ میں ادھر یا ادھر سے شریک ہوئے اُن میں ہر جن
 کون تھا اور آیا دوسرا فریق اس آیت کا مستحق ہے یا نہیں۔
 وَمَنْ يُفْلِكْ لِمَا هُنَا مُنْجِدًا كَذِبًا ۖ جَوْنِ سَلَامَانَ كَوَلِّدًا قَتْلَ كَرِيحًا ۚ اِسْكِ جَزَائِمِ
 جَهَنَّمَ حَازِلِيَةً ۚ
 ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔

یہ اختلاف سب سے پہلے کوفہ میں پیش آیا اور یہیں سے یہ
 صلابت ہوئی، صحابہؓ زندہ تھے، مسجد میں جیسرہ حضرت ابن عباسؓ
 کے پاس آئے، اور پوچھا کہ کیا یہ آیت مفسوخ ہے؟ فرمایا نہیں، یہ
 آخری آیتوں میں ہے، مسلم کتاب التفسیر، خوارج اس کے کماثل تھے
 کہ چونکہ طرفین نے ایک دوسرے پر جان بوجھ کر تلوار ٹھائی، اس لیے
 دونوں جہنمی ہیں، چنانچہ اسی اصول کی بنیاد پر تمام غارتگیوں میں وہ
 دونوں جماعتوں کو برابر کا فرما دیتے تھے، اور چونکہ قتل عمد گناہ کبیرہ ہے
 اور اس کے لیے خدا نے دائمی جہنم کی دھمکی دی ہے جو کافروں کی منزل
 ہے، اس سے وہ ثابت کرتے تھے کہ گناہ کبیرہ کے مرتکب مومن
 نہیں ہیں، یہ آیت بظاہر خوارج کے اثبات مدعا میں ایسی صاف تھی کہ
 خوارج اپنے خیالات کی اشاعت میں اس سے کامیاب ہوتے تھے،
 مسلم میں روایت ہے کہ چند تابعین خوارج کے دلائل سے
 مطمئن ہو کر غار حبی بن گئے تھے، اتفاق سے حج کا زمانہ پیش آیا اور
 اُن کا مدینہ میں گزر ہوا، مسجد نبویؐ میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ

ایک مشہور صحابی اپنے منہ کو درس دے رہے تھے اُن لوگوں نے اپنے منہ کو اُن کے سامنے پیش کیے، انہوں نے تشفی کر دی اور ایک کے سوا سب لوگوں نے اپنی سابقہ رائے سے توبہ کرنی۔

دوسرے فرقوں کے سامنے قرآن مجید کی دوسری آیت تھی۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ الْمُسْلِمِينَ
الَّذِينَ كَفَرُوا فَأَصْلَحُوا سَبْعًا فَاذْكُرُوا
بِذِكْرِ اللَّهِ عَلَى الْأَخْيَارِ
فَعَارِلُوا الْيَتَامَى وَالْيَتَامَى
إِلَى آيَاتِ اللَّهِ (حجرت)

اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں باہم کشت خون کریں تو اُن کے درمیان صلح کرادو اور اگر اُن میں سے ایک دوسرے پر ظلم کرنے تو ظالم جماعت سے مل جل کر ایک دوسرے کو حکم نہی کی طرف جمع کرے۔ (تجوizat)

علوی اور عثمانی دونوں اس آیت کو اپنے اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کرتے تھے، وہ خود کو برحق ٹھہرا کر دوسرے فریق کو برسرِ باطل قرار دیتے تھے، اور اس لیے اس پر مولانا جاناں سچے تھے۔

اتنے تو برتن پر دوں کے اٹھنے کے بعد اب وقت آیا ہے کہ اہل السنہ والجماعہ کی حقیقت پر ایک اور نقطہ نظر سے غور کیا جائے اختلافات صحابہ اور مختلف فرقوں کی پیدائش، اختلافی امور کے زمانہ کے فتنے سے بے گریز، اس وقت تک میں فرقے برابر برابر کے قائم ہو گئے تھے، علویہ، عثمانیہ، درویشی، خوارج، ان کی

تعداد تمام ملک میں محدود تھی دینوں فرقتے جس اسلیم حسین
 صراط مستقیم اور جس شہرہ قدیم کو چھوڑ کر الگ الگ راستوں پر چلے
 تھے۔ اس کا نام سنت۔ اور اسی کا نام جماعت تھا۔ اور جو سواد اعظم
 اس راہ پر قدم زن تھا وہی اہل سنت والجماعت تھے، جنہوں نے ایک
 طرف مذہبی حیثیت سے ان اصول سے تنگی شارع نے تعلیم کی تھی۔
 ایک ذرہ ہٹنا گوارہ نہیں کیا، اور دوسری طرف انتظامی و سیاسی نقطہ
 سے عامہ صواب، سواد اعظم، بحیور اور جماعت کی دلسے کے پابند تھے
 ان تمام خانہ جنگیوں میں کچھ لوگ امیر مہاراجہ کے ساتھ تھے، وہ عثمانیہ تھے
 بہو جناب علی مرتضیٰ کے ساتھ تھے۔ وہ علویہ تھے۔ اور کچھ دونوں کو بڑا
 چاہتے تھے۔ وہ مروری اور خواجہ تھے۔ اہل سنت وہ تھے جو دونوں پرست
 کسی کو بڑا نہیں کہتے تھے اور ان کی اس نیت پر حملہ نہیں کرتے تھے۔ انکی حیثیت
 ان تمام خانہ جنگیوں میں، طرفدار جماعت کی تھی اس لئے اہل سنت کسی فرقہ
 کے طرفدار مرہ کا نام نہ تھا بلکہ طرفدار گروہ کا نام تھا۔ وہ ان خانہ جنگیوں کو
 مذہبی جنگ نہیں بلکہ سیاسی جنگ سمجھتے تھے۔ وہ اس کو تشہد کہتے تھے۔ اور اس
 کی شرکت پر عزم و شرکت کو ترجیح دیتے تھے۔

اہل السنۃ میں ناظرین دار گروہ: صحابہ کبار میں سے اسے

خانہ جنگیوں کے عہد میں ہزاروں صحابہ زندہ تھے، لیکن فرقہ کی حیثیت
 میں جن کا ہم پیش کیا جاسکتا ہے وہ محدود و جدا افتاد تھے، یعنی

سوارِ عظیم! ہر فدااری کی حالت میں تھا، جو بعض اشخاص فرقہ کی حیثیت سے راہِ بریادھر غریک تھے وہ ایک دوسرے کو نفوذِ بالندہ فاسق یا کافر نہیں سمجھتے تھے، حضرت علامہ ابنِ یاسر حضرت علیؑ مرتضیٰ کے سخت طرفدار تھے، وہ حضرت عائشہؓ کی فوج کے مقابل میں ابنِ کوفہ کو شرکتِ جنگ کے لئے ابھارتے ہیں تو یہ الفاظ اُن کی زبان سے نکلتے ہیں

اِنَّی لَا عِلْمَ لَیَّ لَزُوْجَتِیْ اِلَّا دُنِیَا
وَالْاٰخِرَةُ وَلٰکِنْ لِّلّٰہِ اِجْلًا کُلُّم
لِیَحْتَبُوْہُ اَدِیَاہَا۔

میں جانتا ہوں کہ وہ دنیا میں اپنی بیوی تھیں
اور آخرت میں بھی اپنی بیوی ہیں مگر یہ نہیں
پہنچیں لیکن خدا تم کو آراء آجے کہ نکلا ساتھ لیتے

بہیمان کا دیکھو۔

حضرت زبیرؓ کے قاتل نے جب حضرت زبیرؓ کا سر مبارک حضرت علیؑ کی خدمت میں پیش کیا تو آپؐ نے فرمایا ابنِ صفیہ کے قاتل کو جہنم کی بشارت ہو، ہم ہی وہ پیشِ حکی شان میں خدا لے لے رہا ہے۔

وَلَوْ غَنَّا لَکُمْ صَدُوْہِم
وَلَوْ غَنَّا لَکُمْ صَدُوْہِم
ہم غننا لکھم صَدُوْہِم
نہ دو کر دیں اور وہ جنت میں بھی جِلْدُوْنَ
کراہنے سائے تخت پر بیٹھے ہوں گے۔

امیر معاویہؓ کو حضرت علیؑ سے جس قدر سیاسی اختلاف تھا وہ پرشیدہ نہیں لیکن جب علمی و دینی ضرورت پیش آتی تو ان کو اسی بارگاہ کی طرف

رجوع کرنا پڑا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مقابل فوج لائی تھیں، لیکن وہ ضرورتوں کے موقع پر انہوں نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پایہ سے انکار نہیں کیا۔

بہر حال ان روایتوں سے صرف یہ ثابت کرنا تھا کہ ان بعض چند صحابہ میں جو اختلاف تھا، وہ فرقہ بندی کی حیثیت نہیں رکھتا تھا بلکہ اختلاف ملے کی حیثیت رکھتا تھا، اس بنا پر سواد اعظم نے ان فتنہ جیگوں کو خطا، اجتہادی سے تعبیر کیا، قرآن کی جو چند اور نیچے کی آیتیں علویہ اور عثمانیہ ہم کو سن کر رہ گئے تھے، وہ پوری آیتیں ہم کو سناتے ہیں۔

وَإِنْ هُمْ لَفُتَنَاءُ مِنَ الْمُنِفِينَ
اقتُلُوا قَاتِلَكُمْ إِيَّاهُمْ فَإِنْ
كَانَتْ مِنْكُمْ أُنْفُسٌ فَوَاللَّهِ
فَقَاتِلُوا إِنِّي لَا أَخْلِفُ مَعَكُمْ
أَمْرًا إِنَّ كَلِمَتَكَ لَأَشَدُّ
بِالنَّاسِ مِنْ قُوَّةٍ أَمْ وَاللَّهِ
إِنْ هُمْ إِلَّا فِتْنَةٌ لِلْعَالَمِينَ
أَمْ وَاللَّهِ إِنْ هُمْ إِلَّا فِتْنَةٌ
لِلْعَالَمِينَ أَمْ وَاللَّهِ إِنْ هُمْ
إِلَّا فِتْنَةٌ لِلْعَالَمِينَ

اگر مسلمانوں کے دو حاکم ہیں ہم لوگوں کو
دو میان صلح کر ڈاؤں گا اس میں سے ایک سے
جرح کرے اس سے لڑ دیاں تاکہ وہ صلح
کے حکم کو طرف رجوع ہو جائے تو ان میں
صلح کر ڈاؤں۔ خدا ان انسان کو دوست
رکھتا ہے، مسلمان آپس میں بھائی بھائی
میں اپنے دو حاکموں کے درمیان صلح
کر ڈاؤں اور خدا سے ڈرو تاکہ تم پر جرح نہ آجائے۔

وہ صحابہ جو ان روایتوں میں شریک نہیں ہوئے، اسلام کی تباہی

سے سنیں سید بن مسعود کے مسلم، انس بن مالک،

پر ان کے پروردگمات اور زمانہ فتن کے متعلق آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور نصائح جس حسرت اور انوس کے ساتھ بیان کرتے تھے، اب تک اُن کے پڑھنے سے آنکھیں اشک آلود ہو جاتی ہیں غوغا ایران حضرت سعد وقاصؓ خانہ نشین ہوئے تھے، اند کہتے تھے کہ اگر میرے گھر آکر بھی کوئی مجھ پر تلوار پلائے تو میں اپنا ہاتھ اُس پر نہ اٹھاؤں گا:

اہل بن ضیفؓ سے دم شرکت کی وجہ پر بھی گئی تو کہا: میں نے جب اپنی تلوار میان سے نکال کر کندھے پر رکھی ہے تو ذرا تمام شکلیں مل ہو گئی ہیں لیکن موجودہ مشکلات کی نسبت میں نہیں جانتا کہ کیا کروں۔

حضرت علیؓ نے ایک بزرگ سے شرکت کی درخواست کی، انہوں نے عرض کی: میرے دوست اور آپ کے چہرے بھائی یمنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کہا ہے کہ جب ایسا وقت آئے تو مکاری کی تلوار رکھنا، سو وہ مکاری کی تلوار لے کر چل سکتا ہوں۔ حضرت ابوہریرہؓ اشعریؓ اور حضرت ابو بکرؓ نے لوگوں کو بتایا کہ یہ وہ زمانہ ہے جس میں حولے والا بیٹھنے والے سے اور بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے، کھڑا ہونے والا چلنے والے سے، اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہے۔

چند ایسے صحابہ بھی تھے، جو اُس زمانہ میں گھروں کو تھوڑے کراؤں

اور بہادری میں چلے گئے تھے، ایسے بھی تھے جو اپنی رائے کے مطابق

انصرا دھر نورج میں موجود تھے، لیکن انہوں نے انکار نہیں چلائی۔ کفار
کے ابواب الفتن کو دیکھو تو اس قسم کے واقعات صفحہ صفحہ پر ملیں گے۔

اہل سنت کلام میں

درواہ عشق پیر پریشیاں نہ ہم ایں شیوہ را بطرہ دیگر کی سیم ما
گذشتہ ادراک میں اہل سنت و الجماعہ کی جو تیسر کی گئی تھی وہ سیاہی
فروق کے مقابلہ میں تھی، لیکن حالات کے نقاب سے یہی لفظ ایک اور
معنی پیدا کرتا ہے جس کو ہم لفظ اہل سنت والجماعہ کا دوسرا درجہ کہتے ہیں۔
اس دور کی تشریح کیلئے ایک مختصر تمہید کی ضرورت ہے۔

عجم اور عرب کے خصائص ذہنی، جس طرح اشخاص کے
فطری خصائص اور اخلاق ہوتے ہیں، اسی طرح قوموں کی بھی فطری خصوصیتیں
اور ان کے طبی اخلاق ہیں، عرب کی قوم فطرۃً سترایا مل ہے، ایران سترایا
خیال اور تخیل ہے، جن لوگوں کی فطرۃ کلام کی تاریخ پر ہے وہ جانتے ہیں
کہ جب تک عربوں کا اختلاط ایرانیوں کے ساتھ نہیں ہوا، عربوں کے ہر
قسم کے قولے نقلی زندہ تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو
دوسری قوموں کی تقلید و مناسبت سے منع فرمایا تھا، اس کا مقصد یہ تھا کہ
مسلمانوں کے قولے لفظاً و اسماً دینیت اور عربیت کے صحیح نمونہ پر قائم رہیں
حضرت زین نے مسلمان سپاہیوں کو ایران کی مہم پر روانہ کیا تھا تو ان کو نصیحت
کی نقل کہ ایرانیوں سے آرام طبی کی تعلیم نہ حاصل کریں، نیز قوموں کو مسلمانوں

کے متنبہ ادا ان کے طرز لباس کی تنقید سے بھی اس لئے روکا کہ اسلامیات کا جو لباس اختلاف اور تشابہ سے برباد نہ ہو جائے۔

کوفہ اور بصرہ کے شہر کیوں فسج اہلن کے مدبر و علم کے اختلافات کے مرکز بنے: مدد پر فوجی بھانڈیوں کی تعمیر کی ضرورت محسوس ہوئی چنانچہ اسی ضرورت کی بنا پر کوفہ اور بصرہ کے شہر آباد ہوئے۔ تھوڑے ہی دنوں میں یہ شہر عرب و عجم کے مشترک اخلاق و مصلحت کے غماش نگاہ بن گئے۔ ان اطراف میں اسلام کے پہلے سے بھی پارسوں کے یہ فرقے جن کا مذہب سرکاری مذہب کے موافق نہ تھا اور سب سے زیادہ کے باطل فرقے شمار ہوتے تھے، آباد تھے، جو کہ یہ حکومت ایران کی آخری سرحد تھی، اس لئے ان مذہبی مجرموں کے لئے اس سے بہتر کوئی مامن نہ تھا۔ عربوں نے فوجی نقطہ نگاہ سے ان مقامات کو اپنا فوجی مرکز قرار دیا۔

عرب کی خشک آب و ہوا میں دھمکن طبیعتوں کی پرورش کے لئے عراق کے مہزہ زاروں اور وحلہ و قرات کے کناروں سے بہتر کوئی جگہ تھی، ان وجوہ سے اس زمانہ میں یہ شہر علم و غریب اور ادب و تمدن کی دلچسپیوں کے باغ و بہار تھے۔ لیکن عرب و عجم کے رنگ و مذاق ہیں جو میں اختلاف ہے اس کے ابھرنے سے پہلے بھی اس سے بہتر زمین کا کوئی قطعہ نہ تھا۔ نتیجہ یہ ہو کہ جنگ و صلح کی فوجی سرزمین اور اہم دخیان کی رزم گاہ بن گئی۔

مشاجرات صحابہ کے بعد لوگ کہتے ہیں کہ رات کو بیماری اختلاف افکار کی شدت بڑھ جاتی ہے۔ لیکن واقعہ

یہ ہے کہ بیماری کی شدت نہیں بلکہ بیمار کے احساس کی شدت بڑھ جاتی ہے دن کے شور وغل اور محاسن کی سمروفت میں حساس کا کم موقع ملتا ہے، لیکن رات کے خاموشی اور غیر مصروف گھنٹوں میں ہمارے نسبتاً ایک ایک دوسرے کو ٹٹولتے ہیں، اور اس کی تکلیف کو محسوس کرتے ہیں۔

ابن حنیفہ اور امیر معاویہؓ نے جب باہم صلح کر لی، اند لوگوں کو اطمینان سے خود کا موقع ملا تو ہر گروہ کو اپنے بدن کے زخم جن کے چیکنے کی پہلے فرصت نہ تھی محسوس ہونے لگے، دن کے شور وغل اور محاسن کی غافلہ مصروفیت کے بعد اب شام ہو رہی تھی اور رات کے گھنٹے آ رہے تھے، عمل کا دور ختم ہو کر اب تنہا کا دور شروع ہوتا ہے۔ سب سے پہلے سوال یہ پیدا ہوا، اور یہ کہ قدمیں پیدا ہوا کہ ہم اگر حق پر تھے تو دوسرے فریق کی نسبت ہم کیا خیال کریں اور اگر حق پر نہ تھے تو ہم خود مدعی غرور میں کیا غمخوار ہوتے ہیں؟ قرآن کہتا ہے۔

لَا تَنْفُلْ مَوَدَّةً مِّنْ بَيْنِهِمْ اَفَتُؤْتُوا عَصَاَ اٰلِ اٰدَمَ
خَصْمَةً هَٰؤُلَاءِ اَعْدَاؤُكُمْ
کہ جو جہنم ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

اہل السنۃ کا فیصلہ اس بنا پر عثمانیہ اور طرفداران معاویہ اپنے کو بہر حق سمجھ کر دوسرے کو جہنمی قرار دیتے تھے، علویہ بھی اپنے مخالفین

کی نسبت ہی فیصلہ کرتے تھے۔ خوارج نے کہا کہ دونوں نے جان بچ کر ایک دوسرے پر تلوار چلائی اس لیے دونوں جہنمی ہیں۔ اہل السنۃ کا یہ فیصلہ تھا کہ یہ قتل مدنیس قتل خطا ہے۔ کہ ہر ایک فریق اپنے کو برحق جان کر اور دوسرے کو برسرِ باطل سمجھ کر مذہباً اور اعتقاداً دوسرے کا خون بہانا جائز اور مباح سمجھا تھا، اس لیے اس کا فیصلہ اُس کے ہاتھ ہے۔ جو حقیقت حال سے واقف اور متنبہوں کے اصل منشاء سے آگاہ ہے۔ بخاری اور مسلم دونوں میں ہے کہ کربلہ سے چند لوگ حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں آئے، ادران سے پوچھا کہ یہ آیت منسوخ ہے، فرمایا نہیں یہ آیت آخر میں اُتری ہے، اس کو کسی نے منسوخ نہیں کیا، مسلم میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا قرآن میں تو یہ ہے کہ ہم مسلمانینِ اَوَّل کے لئے دہلے مغفرت کریں، لیکن لوگ اُن کو گناہیں دیتے ہیں۔ اُم المؤمنین کا اس آیت پاک کی طرف اشارہ ہے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ
عَذَابُهُمْ كَوَارٍ رَّبَّنَا إِنَّكَ جَمِيعٌ شَدِيدُ الْعِقَابِ

یہ حدیثیں بخاری اور مسلم کی کتاب التفسیر میں ہیں۔ سلف صالحین نے یہ فیصلہ ہمیشہ غائب جنگیوں کے لیے وردِ سابق و ردِ فاضل کے لحاظ سے حضرت علیؓ کا جواب ہے وہ نورِ الشمس ہے۔

اور محدثین اہل سنت نے اصولِ نبییت سے اس مسئلہ کو ذکر کیا ہے۔ یہاں پر عقائد کی تمام کتابوں میں اس کا تذکرہ ہے۔

خواج کے نزدیک چونکہ یہ قبلِ مدّ خدا جو گناہ کبیرہ ہے، اور جس سے دائمی جہنم کا انسان مستوجب ہوتا ہے اور دائمی جہنم کا مستوجب ہونا صرفہ کافروں کی صفت ہے اس لئے گناہ کبیرہ کا ترکب کافر ہے، اس نتیجہ نے خارجی مذہب کے اصولِ اولین کی حیثیت اختیار کر لی، اس کے بالقابل ایک اور فرقہ ہوا جو **مُصلِحیہ** کے نام سے مشہور ہوا، اس نے بعض احادیث کی بنیاد پر یہ دعویٰ کیا کہ ایمان کے ساتھ کوئی گناہ ضرر نہیں، گناہ سے مومن کسی طرح عذاب کا مستحق نہیں ہوتا ہے، چر جائے کہ اس سے کفر لازم آئے، ایک تیسرا فرقہ **مُعتزلہ** کہ ان دونوں سے بیچ میں پیدا ہوا، جس نے دونوں گزشتہ فرقوں کے دلائل مستحسن کر یہ فیصلہ کیا کہ گناہ کبیرہ کا ترکب نہ مومن ہے نہ کافر، اور ایمان کے بیچ کی منزل یہاں ہے۔

اہلِ السنۃ پھر آگے بڑھتے ہیں۔ وہ ان فرقوں کی طرح جو صراطِ مستقیم سے ہٹ گئے، صرف ایک روایت یا حدیث کو ملے کر فیصلہ نہیں کرتے، اُن کے سامنے قرآن کی تمام آیتیں تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و ہدایات تھیں، صحابہ کے آثار اور روایات تھیں۔ انہوں نے کہا، گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے کفر لازم نہیں آتا لیکن

اس کا ترکیب مذاہب کا استحقاق ضرور ہو جانا ہے، گویا ممکن ہے کہ خداوند
 تعالیٰ اپنی قدرت اور رحمت سے گنہگار کی خطاؤں کو معاف کر دے،
 اور اسے مذاہب سے بچالے صحیح مسلم میں ہے کہ بعض لوگ خوارج کے
 دلائل سن کر خارجی بن گئے، اتفاق سے اُن کا گزر مدینہ میں ہوا، وہاں
 حضرت جابرؓ سے ملاقات ہوئی، اُن سے پوچھا کہ گنہگار بخشے بھی جائیں گے
 انہوں نے قیامت کے تمام واقعات اور گنہگاروں کی شفاعت اور
 مغفرت کی حدیث بیان کی، یہ سن کر آپ کے سوا سب تائب ہو گئے۔
فروق کی ملکی تقسیم ہم نے پہلے لکھا ہے کہ ان فرقوں نے
 قوی تقسیم کے علاوہ ملکی تقسیم بھی حاصل کرنی تھی، شام میں عثمانی و اموی
 وغیرہ حاکمان بنوائے تھے، اور عراق میں علوی اور اہل علم تھے، بنو امیہ
 نے میدانِ شکر مِلا میں جگر گوشہ رسول کے ساتھ جو کچھ کیا، سرزمینِ حرم
 میں حدیث کے نواسہ راجن زبیرؓ، کو جس بیوردی کے ساتھ قتل کیا،
 امام زین العابدین کے دلہند زید شہید کا سر جس طرح آٹا مارا گیا، مدینۃ الرسول
 میں انصاری کلام کو جبر رسول کے دست و بازو تھے جس حد تک سے نہ تیغ کیا،
 بصرہ کے محمد بنین اور علماء کا خون جس طرح بے دریغ بہایا، اس کو دیکھ
 دیکھ کر اور سن سن کر تمام جمیع اسلامی دم بخود تھا۔

بنو امیہ کے دور میں تلوار کا جادو زبان کو گونگا کر سکتا تھا، لیکن دل کا
مذہبی فرقوں کا ظہور کوٹا نہیں نکال سکتا تھا، اس کیلئے مذہبی منتر

کی ضرورت تھی، آخر وہ منتر بنوائیتہ کو ہی گیا۔ اور وہ مسئلہ جہز تھا، یعنی یہ کہ انسان مجبورِ محض ہے، جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے، اس لیے انسان اپنے اہمال کا ذمہ دار نہیں، اس کی ذمہ داری خدا پرنا کر ہے، ان وجوہ سے ان سفاحیوں کے وہ مجرم نہیں بلکہ فحوظِ اللہ خود خدا ذمہ دار ہے، عراق کے اہلِ فکر نے اہلِ شام کے اس جواب کا جوابِ نظریہ تقدیر سے دیا، یعنی یہ کہ انسان اپنے تمام اعمال کا آپ ذمہ دار ہے، تقدیر کوئی شے نہیں، خدا نے اس کے افعال پر اس کو قدرت دے رکھی ہے انسان خود جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے، یہ آواز سب سے پہلے عراق سے اٹھی، اور سنو یہ: توسن نام ایک ٹیپن فردا کی زبان سے نکلنے بولنا سنہی نے اس کو اصولِ عقائد میں داخل کر دیا، کچھ لوگ بصرہ سے حضرت ابن عمرؓ کے پاس آئے اور عرض کی کہ ہمارے ہاں کچھ لوگ پیدا ہوئے ہیں جو تشریر کے مسکر ہیں، ان کہتے ہیں کہ تمام کام پہلے سے مقدّر ہو کر نہیں بلکہ از سر نو ہوتے ہیں، حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ ان سے کہہ دو کہ تم کون سے تعلق نہیں، اور ان کو ہم سے نہیں ہے، معبدِ نبیؐ نے مسئلہ تدر کو بصرہ کے علمی حلقوں کو سپنایا، اور پھر رفتہ رفتہ اس کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔

۱۔ مفرغی جلد ۲ صفحہ ۳۵۰، مفرغی صحیح مسلم کتاب النکاح و قرنی باب اہمال فی التقویٰ
 ۲۔ کتاب الصفات صفحہ ۱۵۱ و غنی النکاح و غنی غریب ۱۵۱ و غنی غریب ۱۵۱ و غنی غریب ۱۵۱

سعد اور عطاء بن یسار حضرت حسن بھری کی خدمت میں آتے اور عرض کرتے کہ یہ لوگ (بنو امیہ) غلط خدا کا خون بہاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہم لوگ جو کچھ کرتے ہیں وہ خدا کے حکم سے کرتے ہیں، انہوں نے کہا "خدا کے دشمن بھوٹ کہتے ہیں" آخر معین نے بغاوت کی اور حیدر الملک اموی کے حکم سے قتل ہوا، معبد کے بعد عمرو بن عبید، حید بن دہیم اور فیلون دمشق وغیرہ نے اس آواز کو دہنے نہ دیا، اور یہ سب یکے بعد دیگرے بنو امیہ کے ہاتھ سے قتل ہوئے، ان کے قتل نے اس فرقہ میں اور زیادہ جوش برپا کر دیا، اور ایک دوسرا اصول ان میں مستحکم ہوا کہ سفاکوں اور ظالموں کو لوٹنا، اور عدل و انصاف کی دعوت دینا فرض ہے ابتداً اس فرقہ کا نام قدیریہ پڑا، اور آخر بڑھتے بڑھتے یہی معتزلہ بن گیا۔

فرقوں کا امتشاع اب وہ وقت آیا کہ امویہ کا دور گزر کر عباسیہ کا ستارہ اقبال خراسان کی سرزمین سے طلوع ہوا، یونان و عجم کے فلسفہ نے زبانوں کی گرہیں کھول دیں جس کے منہ سے جو بات نکلی وہ ایک مذہب بن گئی، سراق، خراسان، رے وغیرہ ایران کے بڑے بڑے شہر مذہب سائریوں اور فرقہ بندیوں کے مرکز بن گئے خراسان میں جہم بن صفوان ترمذی پیدا ہوا، جس نے تمام صفات الہیہ کا انکار کیا، اور خدا کو مجبور محض قرار دیا، معتزلہ نے خدا کو صفات سے اس قدر منترہ کیا

کہ وہ معدوم کے ہم معنی بن گیا، ابن کرم سیستانی نے رکے میں خدا
کی تحسین کا وہ اعتقاد ظاہر کیا کہ ایک خوبصورت و زلف و صورت انسان بنا
کر خلقت پر تجلید دی، فقہدین تحسین میں ایک خیال پر متفق نہ ہوئے خواہ
میں سلیمان مسعودی نے یہ عقائد ظاہر کیا کہ خدا کا جسم گوشت اور پوست
سے مرکب ہے، بشام بن نکم نے گوشت پوست کے بجائے اس
کو نورانی الجسم کہا، بشام بن سالم بن علی نے کہا خدا نور ہے، گوشت
پوست نہیں، اوپر کا دھڑ ٹوٹ کر نیچے کا دھڑ ہٹوس ہے، اس کے
کالے کالے بال ہیں، انسانوں کی طرح جو اس قسم رکھتا ہے، اس
کے ہاتھ بے پاؤں ہے، نہ ہے، ناک ہے، داڑھی نہیں، بیان بن
اسحاق نے کہا خدا کے جسم تو ہے، انہیں دو قیامت میں فنا ہو جائے
گو صرف چہرہ وہ جائے گا، معتزلہ نے خدا کی رویت کا انکار کیا، دوسرے
نے کہا رویت ان جو اس قسم سے نہیں ہیں، ایک اور قسم سے ہوگی،
جو قیامت میں خدا پیدا کرے گا۔

یہ بحث تو صرف خدا کی ترکیب کے لحاظ سے تھی، خدا کے صفات
کی بحث اس کے بعد شروع ہوتی ہے، چھپہ نے خدا کے صفات الہیہ
سے انکار کیا کہ اگر صفات ہوں تو ان کی بقا نہیں لازم آتی ہے، اور
ذاتی بقا صرف خدا کی ذات کو ہے، نیز اگر صفات الگ ہیں تو ذات
صفات سے مل کر خدا کی ترکیب لازم آتی ہے، اور وہ ترکیب سے

پاک ہے۔ مفتر نے کہا خدا کی مین میٹ ذات ہی صفات کی قائم مقام ہے۔ اس کے مقابل ظواہر نے کہا صفات ذات سے الگ مستقل ہستی رکھتی ہیں۔ اشاعرہ نے کہا کہ صفات زمین ذات ہیں نہ خارج از ذات ہیں کبھی یعنی نے کہا کہ خدا میں صرف ایک صفت علم ہے اور ادا وہ اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔

ایمان اور عمل ایک شے ہے، یا عمل ایمان سے خارج ہے، ایمان زبان سے صرف اقرار کا نام ہے، یا دل سے محض اعتقاد کا۔ یا زبان کے اقرار اور دل کے اعتقاد دونوں کے مجموعہ کا۔ ایمان میں کمی زیادتی ہو سکتی ہے یا نہیں، خدا پر ایمان لانا عقلاً واجب ہے یا سمعاً، نبوت کا ثبوت عقل سے ہوتا ہے یا عقل سے، معجزہ ممکن ہے، معجزہ دلیل نبوت ہے یا نہیں، معجزہ عقلی اسباب پر بھی ہوتا ہے یا محض خدا کے حکم سے ہوتا ہے، خدا کے احکام میں مصالح اور حکم ہوتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کی مشیت محض سے وہ احکام صادر ہوتے ہیں، خدا کے کام اسباب کے ذریعہ نہیں یا نہیں، قرآن کس حیثیت سے معجزہ ہے؟ قرآن کا جواب درحقیقت نہیں ہو سکتا تھا، یا ہو سکتا تھا لیکن خدا نے انسان سے اس کی قدرت سلب کر لی ہے، قرآن میں وحی اعجاز کیا ہے؟ اس میں پیشینگوئیوں کا ہونا یا اس کی عبارت کی فصاحت و بلاغت، قرآن کو ہم الہی کیونکر ہے، وہ قدیم ہے یا حادث

اس کے الفاظ بھی قدیم ہیں یا صرف معانی، جنت، درد و دوزخ اس وقت موجود ہیں یا قیامت میں ان کا وجود ہوگا، دوزخ کو بھی بہشت کی طرح دوام ہوگا یا قیامت کے بعد اس پر ایک ایسا زمانہ آنے کا جب اس پر فغاظاری ہو جائے گی، اور اسی طرح بہشت میں قائم رہے گی، یا ایک زمانہ کے بعد اس پر فغاظاری ہو جائے گی۔ قبر میں بندہ پر عذاب ہوتا ہے یا نہیں، دوزخ میں کفار سب ایک بار جلیں گے، یا بار بار، خدا کو کمال پر قدرت ہے یا نہیں، وہ ظلم کر سکتا ہے یا نہیں؟

امامت کا سلسلہ ہم نے چھیڑا نہیں، کہ اس سے پھر ایک اور تسلسل پیدا ہوگا۔

یہ اور ان کے علاوہ سینکڑوں مسائل مختلف فرقوں کے عقائد کا محوریت میں پیدا ہوئے، اور جس کی عقل نے حقائق کچھ وہ ایک گروہ کا مذہب قرار پا گئی، چنانچہ یہ تمام مسائل مختلف فرقوں میں نفیاً یا اثباتاً اُصول مذہب میں داخل ہیں، اور عقل و عقل کی کتابوں میں ان کی تفصیلات درج ہیں، یہ اختلافات صرف زبان اور دلائل تک محدود نہ رہے، بلکہ بارہا دست و گریبان تک نسبت پہنچی، میری صدی میں اشعریت پیدا ہوئی، جس نے محدثین اور نقباء میں بھی حُسن قبول پیدا کیا، کہ اس کا سلسلہ عقل و نقل اور متزلزل اور ظاہر کے

پنج بیچ میں تھا، اس نے ایک طرف باقرانی ابن فورک، عزالی اور
راؤکی کے زور بیان سے، اور دوسری طرف ملک شاہ سلجوقی سلطان
نحود غزنوی، سلطان صلیح الدین ایوبی، اور محمد بنہا تو مرث موحدی
زہدین کی تلواروں سے وہ قوت حاصل کی کہ تمام فرقے اس کے
سامنے دب گئے، تاہم بغداد کی سرزمین جب تک شاداب رہی،
خالدہ اور شاعرہ کے جن میں سے ہر ایک کتاب سنت پر عمل ایمان
کے دھوڑا رہتے، کبھی پہلی فتنوں سے خالی نہ رہا۔

ضلالت کے طبیسی اسباب! اسلام کے مختلف فرقوں کی
پوری روداد اب آپ کے سامنے ہے، غور سے پڑھیے، اور دیکھئے
کہ ان اختلافات کا اصل سبب، اور ان کی پیدائش کے اصل اسباب
کیا تھے؟ یہ تھے کہ اسلام کی عمل زندگی کو چھوڑ کر صرف تخیل کی زندگی اُن
پر چڑھ گئی تھی۔

خیال آرائی! اسلام میں اختلافات کی جو بنیاد پڑی، جب تک
ان میں غمی منصرفا لب نہ ہوا وہ عمل اور زندگی کی جنگ تھی، وہ مذہب
کی آمیزش کے بغیر خالص سیاسی اور پولٹیکل جنگ وہی، جس کے فیصلے
کئی بار تلوار سے چاہے گئے، جمہوریت کے عنصر نے پائیکس کو مذہب
کے پردے میں چھپا دیا، اور تلوار کی جگہ مشکوک شبہات، استدلال، علم
فریب، تاویل نامہ اور تفسیر فقائد نے لے لی، نتیجہ یہ ہوا کہ تلوار کی جنگ

گوہ دہی اجسام کو فدا کر ہی تھی لیکن قومی زندگی کی بروخ کو نہیں فدا کر ہی تھی
 قوم کی زندگی رہنے کا جو عرض و خروش تھا لیکن خیال آرائی کے اس طرز جنگ نے
 زندگی کے اصل جوہر نہ چھپ کی اصل روح، ادھم کی اصل توت کو فدا کر دیا۔
عقائد میں وسعت طلبی اسلام کے اصل عقائد نہایت سادہ اور
 مختصر ہیں، کوئی دھوکہ سمیٹ پایا ہے تو صرف ایک لانا لا اللہ میں سمیٹ سکتا ہے۔
 جیسا کہ اس حدیث میں ہے کہ تَنْقُلُ نَدَامَةَ اللّٰهِ وَطَلِ الثَّمَرَةَ، جس نے رات
 لا اللہ بہا وہ جنت میں داخل ہوا، اور اگر کچھ پھیلانے کو وہ صائے قرآن کو پھیلے
 اسلام نے اصول دین کو چند دفعات میں یک جا کر دیا ہے، اور وہ وہی ہے
 جو سورہ بقرہ کے قول و آخر میں ہے، اور ایک حدیث میں ان کو میان کیا گیا ایمان
 بالذات ایمان بالرسول ایمان بالکتاب ایمان بالملکۃ ایمان بالیوم الآخر ایمان بالبعث
 یہ دعوات صحابہ کے عہد میں بالکل سادہ تھے، مگر جیسے جیسے مسلمانوں میں خیال
 آرائی بڑھتی گئی ان مسائل میں نئے نئے مباحث بڑھتے گئے۔

اسلام عقائد کی وسعت اور کثرت کا شوق نہیں بلکہ اسکے موعظ، استواری
 اور مدتِ اومان کا کام ہے لیکن انسانیت کی بڑا فطرت ہمیشہ وسعت کی طرف
 جاتی ہے، فطرتی فطرت کہ وقت آہ اس دھڑ سے گاہ تھا صحیح بخاری میں ہے کہ آپؐ فرمایا
 ان بیروح نفاس یسکادون حتی لوک یبشایک لہ دہرے سے بھٹکتے تو کوکتے
 یعرفوا ان اللہ خانہ کئی شبہی ہوئے یہاں تک کہ بچے کی جھنڈا لے سب
 فن حنین اللہ : بیرون کر پید کیا پھر تھو کو کس نے برباد کیا؟

تساویل متشابہات | مسلم میں حضرت ماشہ سے

مروی ہے کہ آپ نے آیت ذیل تلاوت فرمائی۔

هُوَ الَّذِي أَنزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ
مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ لَّهُنَّ أُمُّ
الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا
الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَلَمٌ فَيَسْتَمِيعُونَ
مُتَشَابِهَهُ مِنْهُ ابْرَءَالِ الْفِتْنَةِ وَ
ابْرَءَالِ قَوْمٍ يَلْبِسُونَ ذَمًّا وَبِيلًا
وَاللَّهُ ذَا الْوَسْطُونَ فِي الْعِلْمِ
يَكُونُونَ أَسْبَابَهُ كُلِّ شَيْءٍ يَلْمِزُهَا
وَعَائِدُ كَوْمًا أَلَا أُولُوا الْأَلْبَابِ

اس خطہ تجوید پر یہ کتاب نازل
کی، جس میں کچھ آیتیں محکم اور
واقع ہیں، واصل کتاب ہے
اور جس متشابہ ہیں جن کے
دلوں میں کجی ہے وہ متشابہ کے
پیچھے پڑتے ہیں، قند: چھانے
اور اس کے مطلب کو حل کرنے
کیلئے مانا کہ اس کا حقیقی طلب
خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا،
اور جو حق علم میں پکے ہیں وہ کہتے
ہیں ہم اس پر ایمان لانے پر
سب خدا کی طرف سے ہوا،
مقدمہ دون کے سوا کوئی غیرت
نہیں پکرتا۔

پھر فرمایا:

إِذَا رَأَيْتُمُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ
مُتَشَابِهَهُ مَعَهُ فَادْعُوكَ الَّذِينَ

جب ان لوگوں کو دیکھو جو متشابہ
کے پیچھے پڑنے میں توجہ لو کہ یہ

سَمِعَ اللّٰهُ نَادِيَ ذٰلِكَ هُمْ ، وہی میں جنکا غرانے نام پایا ہ

توان سے انتر از کرو۔

اسی بنا پر صحابہ کرام سے اگر کبھی کوئی ایسا فعل سرزد ہوتا جو اس ارشاد کے خلاف ہوتا تو آپ سخت برہم ہوتے، ترمذی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے اور ابن ماجہ میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ آپ باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ کچھ اصحاب ایک حلقہ مجلس میں بیٹھے بحث و نزاع میں مشغول ہیں، فرمایا اگر مسئلہ میں گفتگو کر رہے ہو، عرض کی مسئلہ تقدیر میں، یہ سنتے ہی آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا، راوی کا بیان ہے کہ یہ معلوم ہوا تھا کہ گویا کسی نے چہرہ مبارک پر انار کے دانے چھوڑ دیئے ہیں، آپ نے فرمایا کیا تم کو اس کا حکم دیا گیا ہے، کیا تم اس لئے پیدا کئے گئے ہو، کیا میں پینسا دے کر جھینا گیا ہوں؟ قرآن کی ایک آیت کو دوسری پر پٹتے ہو، تم سے پہلے جو قومیں تھیں وہ اسی میں ہلاک ہوئیں، میں بتاؤ کہتا ہوں کہ اس میں جھڑنا نہ کرو۔

ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام متنازع و سخت اور ان میں بحث و نزاع کا شائق نہیں، وہ سرفہرہ مسامحہ پر ایمان و یقین کا طالب ہے جو علی الاعلان وہ تم کو سناتا ہے جس کے سمجھنے میں نہ عرب کے بدوؤں اور افریقہ کے ہشیموں کو

تاسل ہے اور نہ یونان کے عیسویوں اور یورپ کے فلاسفروں کو۔
 بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ ایک صاحب کو ایک مسلمان غلام
 آزاد کرنا تھا۔ وہ احمق سی کوئی حبشید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
 خدمت میں لائے اور دریافت کیا کہ کیا یہ مسلمان ہے؟ آپ نے اس
 سے پوچھا کہ خدا کہاں ہے؟ اس نے آسمان کی طرف انگلی اٹھا دی،
 آپ نے ان صاحب سے فرمایا: یہاں تو یہ مسلمان ہے۔

اللہ اکبر! اسلام کی حقیقت پر کتنے پردے بڑ گئے ہیں، آپ
 اسلام کے لئے صرف آسمان کی طرف انگلی اٹھا دینا کافی سمجھتے ہیں لیکن
 ہمارے نزدیک آج کوئی مسلمان، مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک شفی
 کے تمام بندے ہوئے عقائد پر حرفاً حرفاً اُمنت نہ کرتا جائے۔
 جنگِ مقداد و دولت ہم را مذہب

چوں ندیدم حقیقت رہا فسادِ زندقہ

پہلی دو شبستوں میں ہم یہ ابھی طرح وضع کر چکے ہیں کہ مذہب
 کی اصلی اور حقیقی تصویر یہی ہے جو داعیِ مذہب کے ضم و عمل اور
 اس کی تعلیم و تلقین کا صحیح اور سچا ہو، پیغمبر کی ضرورت ہم نے
 اس لئے تسلیم کی ہے کہ عقیدِ انسانی زندگی کی: اصلی گروہوں کے کھولنے
 سے عاجز ہے۔ اس لئے رُستِ الہی انسانیت کے ایک بلند ترین پیکر
 کو رُوحِ انفس کے توسط سے انسانوں کی پہنائی کے لئے بھیجتی ہے۔

وہ لوگوں کو ہر قسم کے تلقینات سے مشرف کرتا ہے۔ اُن کو اُن کی زندگی کے ہر شعبہ کے لئے تعلیمات دیتا ہے۔ لیکن مافوق الفہم اسرار کے سمجھنے کی حیات، انسانی کو حاجت نہیں، اور اس کی علمی زندگی کے لئے اُن کا علم ضروری نہیں، ان کو وہ اسی طرح سر بہستہ چھوڑ کر آگے بڑھ جاتا ہے اور ان کے متعلق وہ صرف یہ سمجھا جاتا ہے،

وَمَا يَكْتُمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَرِضْوَانُ
فِي السَّمِيعِ يُفَوِّلُونَ أَصَابَهُ مَكْنُفُونَ
عِندَ تَرْفَاتِهِ
اسکی تاویل خدا کے موا کوئی نہیں
جانتا اور جو علم میں راجح اور پختہ
میں وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان
لائے یہ سب ہلکے پروردگار
کی طرف سے ہے۔

اس بنا پر اگر ہم ان اعتقادات اور تعلیمات پر جو یہ مغیبر نے انسانوں کے لئے ضروری سمجھے، اپنی عقل اور سمجھ سے کچھ اضافہ کرنا چاہتے ہیں، یا کچھ اس میں سے حذف کرنا یا بڑھانا چاہتے ہیں، یا جس گرو کو جہاں تک اس نے کھول کر چھوڑ دیا ہے ہم اس کو اور کھولنا چاہتے ہیں، تو درحقیقت ہم اصل نبوت کے ثبوت کے دعویٰ کو کمزور کر رہے ہیں اور عملاً ہم بتانا چاہتے ہیں کہ انسانیت کی تکمیل کے لئے پیغمبر کی حاجت نہیں بلکہ خود عقل انسانی ہماری رہبری کے لئے کافی ہے، حالانکہ اس کا بطلان ہمارے نزدیک جبری الثبوت ہو چکا ہے۔

خود کیجئے کہ مذہب کیا چیز ہے؟ اور اس کی حقیقت کیا ہے؟
 انسان کی علمی زندگی کے لئے وہ چراغِ ماہ ہے، انسان اور اس کی
 علمی زندگی کا تعلق تمام تر مادیات سے ہے، اس لئے مادیات سے
 مادہ کی نسبت صرف ویسے تک اس کو تعلق ہے جہاں تک انسان
 کی علمی زندگی کے لئے ضروری ہے، ہم اپنے مقصود کو اور زیادہ واضح
 کرنے کے لئے ذرا تفصیل سے کام لیتے ہیں۔

مذہب میں دو چیزیں ہوتی ہیں، عقائد اور اعمال، دوسرے
 الفاظ میں ان کی تعبیر ہو سکتی ہے کہ مذہب علم اور عمل سے مرکب ہے۔
 علم کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جو مادیات سے ماخوذ اور
 انہیں سے وابستہ ہے اور اس کے متعلق ہم میں بذریعہ مشاہدہ اور
 تجربہ کے یقین پیدا ہوتا ہے، دوسرا وہ علم ہے جس کا تعلق مادیات سے
 مادہ سے ہے، اور جس کے جاننے کا ذریعہ صرف تخیل، تصور اور
 ظن ہے، آنگ بھلائی ہے، یہ علم مادی ذریعہ احساس سے ہم کو مل
 ہوا ہے، اس لئے ہم کو اس درجہ یقین ہے کہ غلطی سے بھی ہم آنگ
 میں کودنے کی ہمت نہیں کر سکتے، لیکن دوسرا علم یہ ہے کہ انسان
 مرنے کے بعد کچھ دوسرا جہنم لیتا ہے، لیکن اس علم پر اعتمد کر کے
 کیا کوئی انسان اپنی زندگی کا آپ خاتمہ کر دینے پر تیار ہو گا؟

ہماری زندگی اس عالم مادی سے تعلق رکھتی ہے، ہمارے اعمال

اس عالم میں ظہور پذیر ہوتے ہیں، افراد انسانی کی کامیابی اور ناکامی قومیں اور قوموں کی ترقی و تفرک، عروج و زوال، انقلاب و تغیر غرض انسانیت کے جملہ مظاہر اور عالم کے تمام تر نظم و ترتیب انھیں یقینیات اور معلوم قطعہ پر مبنی ہیں جن کا ماحول ہمارے حواس ہیں۔ اس بناء پر ان علوم و مسائل اور معلومات کے نیچے پڑنا اور ان کی گہرہ کشائی پامنا جو مائے حواس ہیں، اور جن کے ساتھ ہمارا علم متعلق نہیں ہو سکتا، ہمارے لئے بالکل بے سود اور غیر مفید ہے۔

ہمارا فلسفہ جس کا تعلق مائے حواس سے ہے "علم ظنی" ہے مائے حواس کا اکثر حصہ ہمارے گزشتہ تجربوں اور مشاہدوں کی بناء پر ایک حد تک درجہ یقینی رکھتا ہے۔ اب دیکھ لیجئے کہ دنیا ان روزوں میں سے کس کی ممنون ہے؟ فلسفہ کی یا مائے حواس کی؟

یونان کے سب سے پہلے فلسفی تالیسیس سے لے کر پطین کے عہد تک ڈھائی ہزار برس میں فلسفہ دنیا کے لئے کیا کارآمد ہوا، لیکن مائے حواس نے دو تین سو برس کے اندر اندر عالم میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ اس بناء پر غیر مادی اور غیر محسوس اشیاء کی نسبت یہ سوال کہ وہ کیا ہیں؟ اور کیوں نہیں؟ بالکل بے سود ہے۔ اور اس کی دین، اس سوال کے حل میں انسانی نسلوں کی گزشتہ صدیوں اور قرون کی ناکامی ہے، اس لئے ہماری بحث اور تحقیقات

کاموں کو نفعیاً اُتارنا، غیر محسوس اشیاء نہیں ہو سکتیں،

یہی وہ نکتہ ہے جس کو یورپ نے اب سمجھا ہے، اور جس کو اسلام نے اپنے آثارِ ظہور میں ہی واضح گمان کر دیا تھا، لیکن افسوس ہے کہ اہل سنت کے سوا اسلام کے اور فرقوں نے اس کو ملحوظ نہیں رکھا، اور یہی آخر ان کی بے راہ روی کا سبب ہوا، اور اس کا بڑا نقصان یہ ہے کہ دنیا کی ہماری خیالی دنیا وسیع ہو گئی مگر مکمل دنیا تنگ ہو گئی، منطق و فلسفہ کی خیالی و قیاسی بحثوں کی بھول تھیلیوں میں پھنس کر حیرت نادی علوم سے جن کا مدار اشیاء کے خواص و صفات کی معرفت پر ہے ہم بے خبر ہو گئے، اور دشمن ہم سے بازی لے گیا اور مٹلی و مادی دنیا کی ہر چیز میں ان کے محتاج ہو گئے، یہ مٹلی نقصان تو مٹلی اقتصادی حیثیت سے پہنچا، اور دین کی حیثیت سے یہ نقصان پہنچا کہ عقائد کی ان عقلی تجدید گیوں میں اُلجھ کر اخلاق و عمل میں ہم سست و ناکارہ رہ گئے اور دنیا و دنیا پر حیثیت سے ہمارے مٹلی قوی کمزور اور سست ہوتے چلے گئے، اس تفصیل سے یہ ظاہر ہو گا کہ اہل سنت کے مذہب کا مدار اور معنی یہ دو اصول ہیں،

(۱) دائمی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عقائد اور اعمال کے متعلق اپنی اُنت کو جو کچھ تعلیم اور تلقین کی، اس پر استوار رہا، یعنی یہی صراطِ مستقیم ہے۔

(۲) عقائد یا عقائد کی ذات اور صفات کے متعلق قرآن نے جو کچھ بیان کیا یا آپ نے جو کچھ بتایا، اور جس مسئلہ کی حد تک قرآن نے تشریح کی، صرف اسی پر ایمان لانا واجب ہے، صرف اپنی عقل و قیاس و استنباط سے نصوص کی روشنی سے بغیر اس کی تشریح و تفسیر نہیں، اور خداس پر ایمان لانا اسلام کی نعمت کے لئے ضروری ہے، بلکہ ممکن ہے کہ وہ گمراہی اور ضلالت کا موجب ہو۔

اسلام کے تمام فرقے اگر ان دو اصولوں پر قائم رہتے تو یقیناً عقائد کے وہ عظیم الشان اختلافات رونما نہ ہوتے، جس کے سبب نے ایک مذہبِ مدید سے کاشاد اسلام کے ارکان متزلزل کر رکھے ہیں، خوب غور کیجئے، گزشتہ مباحث میں ہم نے مختلف فرقوں کے جو مسائل اور معتقدات گنائے ہیں ان کی گمراہی کا سبب صرف یہی ہے کہ انہوں نے ان امور کی تفصیل چاہی جن سے قرآن خاموش تھا اور جن کی تشریح خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ضروری نہیں سمجھی، بلکہ اول تو وہ ان سر بہندہ امراء اور مشکل عقیدوں میں سے ہیں، جن کا حل عقل انسانی کے فہم و ادراک سے باہر ہے اور ثانیاً یہ کہ انسان کی عقل زندگی کے لئے ان کا علم بے سود ہے۔

غرہیت نے خدا کے متعلق یہ بتایا ہے کہ وہ ایک ہے، ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، وہ تمام اعلیٰ صفاتوں سے متصف ہے، اور

برعیب سے پاک ہے، اس کے بعد یہ بحث کہ وہ ایک کس حیثیت سے ہے، صفات کی مختلف قسمیں ہیں، کون سی صفتیں اس میں پائی جاتی ہیں؟ یہ صفات اس کی ذات میں داخل ہیں یا اس کی ذات سے الگ ہیں اگر الگ ہیں تو قدیم ہیں یا حادث، اگر قدیم ہیں تو لغو و قدماء لازم آتا ہے حالانکہ قدیم صرف ایک ہی ہے، اگر حادث ہو تو خدا مصل حادث ہوگا اور عمل حادث خود حادث ہوتا ہے، اگر الگ نہیں بلکہ ذات میں داخل ہیں تو ذات کا جز ہو کر یا کُل ہو کر، اگر ذات کا جز ہے تو خدا کی ترکیب لازم آتی ہے اور اگر کل ہے تو عین ذات ہوگی، اس لحاظ سے اس کی ذات اور صفات میں سے ایک کی نفی لازم آئے گی اور علم، قدرت، سمیع، قہر، ارادہ وغیرہ مختلف صفات مختلف نہیں بلکہ متحد ہو جائیں گی۔

خدا کی نسبت با تقدیاس، لغت اور قدم کے الفاظ کتاب و سنت میں آئے ہیں۔ ان سے حقیقی معنی مرد میں یا مجازی، خدا کی نسبت قرآن میں ہے کہ ”وہ عرش پر مستوی ہو“ اور یہ بھی ہے کہ ”یہ تھریج کرو اور ہری خدا کا منہ ہے“ یہ بھی ہے کہ ”وہ تہاری رگ گردن سے بھی زیادہ قریب ہے“ تو آیا وہ کسی خاص جگہ میں ہے، یا جگہ سے متباعد ہے

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ عَلَى الْمَرْثَبِ الْمَعْتَوِي حضرت شہ عبادتہ در صاغہ اس کا ترجمہ کیا وہ عرض پر جابجا ”اے آئیما تو! تو! انتم وحبہ اللہ سے تعلق اقرب الیہ من کل الموریدین“

پہلی صورت میں اس کا جسم ہونا لازم آتا ہے، اور دوسری صورت میں کسی خارجی موجود کی نسبت یہ کہنا کہ وہ ہر جگہ موجود ہے، آسمان میں آنے والی بات نہیں ہے۔

احادیث صحیحہ میں ہے کہ قیامت میں خدا بشارت میں بشتیوں کو نظر آنے کا اب اس پر یہ بحث کہ اگر یہ تسلیم کر لیں گے تو لازم آنے لگا کہ وہ جسم ہو۔ کسی خاص جگہ میں ہو، اور اگر نظر آنا تسلیم کریں تو انہیں آنکھوں سے وہ درست ہوگی، یا کسی اور جدید حاسہ سے، ان آنکھوں سے نظر آنا، خدا کے لئے جسم، رنگ، تحدید، قیاسین وغیرہ کو مستلزم اور آخری صورت میں موجودہ ذرائع احساس کے علاوہ کسی اور ذریعہ احساس کا اعتقاد فہم سے بالاتر ہے۔

شریعت میں اس قدر ہے کہ خدا نے عالم کو پیدا کیا اور وہ اس کا مخلوق ہے، اس کے بعد یہ مباحث کہ خداوند تعالیٰ اس کی علمیت کامل ہے یا ناقص، اگر نسبت ناقص یعنی غیر تامہ ہے تو عالم کی خالقیت کے لئے کسی اور شے کی ضرورت بھی لازم آتی ہے اور اگر علمیت کامل سنی تامہ ہے تو علمیت تامہ اور معلول کا وجود ساتھ ساتھ ہوتا ہے اس بناء پر عالم کو بھی قدیم ہونا چاہیئے،

قرآن نے بتایا ہے کہ بندوں کے تمام افعال خدا کے حکم سے ہوتے ہیں، اس کے بعد یہ سوالات کہ اس کا حکم ہی فعل کے وجود کا سبب

ہوئے یا بندہ کے عمل کو بھی دخل ہوتا ہے، اگر دخل نہیں تو بندہ کو
جبو محض کہنا ہوگا، اگر دخل ہے تو یہ دخل موثر ہے یا غیر موثر، اگر موثر
ہے تو درحقیقت وہ اپنے فعل کا آپ خالق ہو، ورنہ اگر غیر موثر ہے
تو دوسرے معنی میں جبر ہے،

یہ تمام مذکورہ بالا مسائل اور ان کی جو تحقیقیں کی گئی ہیں وہ
نفیاً یا اثباتاً کسی نہ کسی فرقہ کا معتقد علیہ اور مسلک میں، لیکن آپ
نے دیکھ کر عقلی توہم پرستی کے اعتراضات سے ان میں سے کوئی
بحث بھی بری نہیں، یہ اعتراضات یا لوازم مستحیلہ، یا عقلی سرگردانیاں
کیوں پیدا ہوئیں، اس لئے کہ ہم قرآن کی تلمیحات پر توجہ نہ دیں
کرتے، اور ان امور کی تشریح چاہتے ہیں، جن کی تشریح سے عقل
انسانی عاجز ہے، اور ہماری عقلی زندگی کے لئے وہ غیر ضروری ہیں۔

اگر ہم اپنے معتقدات کے احاطہ کو اس دائرہ کے اندر کر لیں
جس کو وحی الہی کے پرکار نے سطح اسلام پر گھیب چاہے تو یہ حصار
ہمارے لئے یقیناً قلعہ روئیں کا کام دے گا، اور ہم ان بہت سے
تحدیثوں، درجوں سے محفوظ ہو جائیں گے، جو قرآن کی تصریحات
کے سبب نہیں، بلکہ خود ہمارے عقائد تفصیلات کے باعث ہم پر
عائد ہوتے ہیں، اور غلطی سے ہم ان کا مستوجب اپنے مذہب کو
قرار دیتے ہیں، بہت سے فرقہ اسلامیہ سے بڑی مسامحت یہ ہوتی

کر عقل اور فلسفہ نے جس امر کے متعلق بھی کوئی جواب چاہا، انھوں نے اپنے ناخبر ہر سے اس کو حل کیا، اور نفیاً یا اثباتاً اس کو داخل مذہب کر دیا، یہاں تک کہ فاضل فلسفیانہ مسائل میں کو مذہب سے ایک ذرہ تعلق نہیں، مثلاً جزء الذی لا یتجزی کی بحث، کھفرہ کا مسئلہ، رویت کے اسباب، استطاعت مع الفضل کی بحث، خیرہ اس کو بھی انھوں نے عقائد کی کتابوں میں داخل کر دیا ہے اگر آج ہمارے عقائد کی کتابوں کی چھان بین کی جائے تو نصف سے زیادہ اوراق انھیں مباحث سے بھرے ملیں گے۔

یہ صحیح ہے کہ حکمیں نے عقائد صمیمہ پر جبرشکوک و شبہات مدعیان عقل کی طرف سے قائم ہوئے ان کے جواب کی خاطر ان مسائل میں بحث کی، اور بعض پہلوؤں کی تصریح پر وہ مجبور ہوئے اور اس طرح علم کلام کا یہ سارا دفتر وجود میں آیا، اور اس لئے بھی یہ بحثیں کیں کہ فرقہ ضالہ کے آراء باطلہ سے مسلمانوں کو بچائیں، اور یہ کوششیں ان کی شکور ہوئیں، مگر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کے سیدھے سادے عقائد میں الجھنیں بھی پیدا ہو گئیں۔

الغرض اہل السنۃ نے جو مراحل مستقیم اختیار کیا وہی حقیقت اس طوفانِ افکار اور ظنیاتِ خیالات کی حالت میں سفینۂ نوح ہو سکتا تھا، لیکن روہن سو برس کے بعد تیسری چوتھی صدی میں

جب مسلمانوں میں فلسفہ نے عروج حاصل کر لیا، اور مالک اسلامیہ کے درود پورے، اس آواز کی بازگشت آنے لگی، تو خود اہل السنۃ میں سے چند افراد اٹھے، اور قدیم شاہراہ کو چھوڑ کر انھوں نے اہل السنۃ اور دیگر فرقوں کے درمیان ایک تیار راستہ پیدا کیا، وہ عقل و نقل اور فلسفہ و سنت کے درمیان ایک متوازن صورت کو اپنا سکھ قرار دیا، انھوں نے یہ سمجھا کہ اس طریقہ سے وہ عقل و نقل اور فلسفہ و شریعت کی تطبیق میں نہ تو معتزلہ کی طرح قرآن و سنت سے دور چڑ جائیں گے، اور نہ ارباب ظواہر کی طرح اہل فلسفہ کے نشانہ اعتراضات نہیں بنیں گے، لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے یہ مسائل نہ تو اصل قرآن و سنت کے مطابق رہے اور نہ عقل و فلسفہ کے دیباچہ ہی میں وہ رسوخ پا سکے۔

مثلاً ایک طرف تو انھوں نے معتزلہ کے ساتھ جو کفر خدا کے لئے اعضاء کے اطلاق سے انکار کیا، اور ان آیتوں میں جن میں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ اور منہ کا ذکر ہے تاویل کی، اور دوسری طرف ظاہر کے ساتھ خدا کی رویت کا اقرار کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اہل السنۃ کا ساتھ دے سکے، اور نہ اہل فلسفہ کی رویت برقرار رہ سکی، ان کو یہ بینیت کا انکار کرنا پڑا کہ رویت کے لئے مرنے کا جسم ہونا یا غیر ہونا ذی کون ہونا، آنکھ کے سامنے ہونا، اس سے ایک مسافت پر ہونا،

ضروری نہیں، ایک اور مسئلہ میں یعنی مسئلہ بر وقدر نہیں، انہوں نے اسی قسم کا توسط اختیار کیا، ایک حرف تو یہ کہ کہ تم کہ انکار کا کافی فدا ہے، یہ کہہ کر گویا اپنے کو معتزلہ اور قدیم سے الگ کیا، دوسری طرف انسان کے لئے کسب ثابیت کیا کہ جبر نہ لازم آئے، لیکن جب یہ سوال کیا گیا کہ کیا یہ کسب فعل کے وجود میں موثر بھی ہے، تو جواب نفی میں دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ جبریت سے قریب ہو گئے، لیکن اگر ہر صاحب نظر کو تفسیر سیر میں امام رازی کا انداز نظر آتا ہے۔

جس طرح اسلام میں بہت سے ایسے فرقے ہیں جو در حقیقت دائرہ اسلام میں داخل نہیں، اسی طرح بہت سے ایسے فرقے بھی ہیں جو خود کو اہل السنۃ کہتے ہیں لیکن حقیقتاً وہ ان میں سے نہیں ہیں، سبب یہ ہے کہ قدامت اہل السنۃ نے خواصوں کو رد دینے تھے، وہ بحر عقل پرستوں کے اعتراضات سے معوب ہو کر متاخرین نے ان میں تبدیلی کر دی، اور با این ہمہ وہ اپنے کو اہل السنۃ سمجھتے ہیں، بلکہ لفظ اہل السنۃ کا صحیح معنی صوب صرف اپنے کو ہی جانتے ہیں۔
تیسری چوتھی صدی سے اہل السنۃ میں عظیم اشاعت شاخوں میں منقسم ہیں۔

اشاعرہ، حنابلہ اور ماتریدیہ، اشاعہ امام ابو الحسن اشعری کی طرف منسوب ہیں، اور امام شافعی کے متعلق کے مشائخ

سمجھے جاتے ہیں، اس لئے تمام شوافع اشعری ہیں، غالباً اپنے کو احمد بن حنبل کا پیرو کہتے ہیں، ماترید یہ امام ابو منصور ماتریدی کے پیرو ہیں، جو بخت بد واسطہ امام ابو حنیفہ کے شاگرد تھے، اس لئے اخاف نے عقائد میں ان کو اپنا امام مانا، بہر حال ان بزرگوں کے باب میں جو اقوال ملتے ہیں وہ قدمائے اہل سنت اور سلف صالح کے مطابق ہیں، لیکن متاخرین اہل سنت سے بڑی مسامحت یہ ہوئی کہ اُن مسائل کے متعلق جن سے شریعت خاموش تھی، اُن کو حوالہ علم اقبل کرنے کے بجائے ان کی نسبت دیگر فرقوں کی طرح اودعائی پہلو اختیار کیا، اور بہت سے فلسفیانہ مسائل کو جن کو شریعت سے اصلاً تعلق نہ تھا ان کو داخل عقائد کر دیا۔

ان تصریحات سے واضح ہو گا کہ تارکینِ سنت اور متاخرین اہل سنت جنہوں نے معتزلہ اور دیگر عقل پرست فرقوں سے عصب ہو کر قدمائے اہل سنت کے اصول میں ترمیم کی، اور اپنے مذہب کو قواعد عقلی کے مطابق بنانے کی کوشش کی، نتیجہ کی رُو سے ان دونوں میں بہت ہی کم فرق ہے، اور درحقیقت ان متاخرین کے اقوال کو سلف صالح اور اہل سنت کے عقائد اور خیالات سے کوئی واسطہ نہیں ہے، اور اگر ہے تو صرف اسی قدر جس قدر وہ کتاب و سنت سے قریب ہیں۔

جب ایک مسئلہ سے متعلق شریعت نے کچھ نہیں بتایا اور نہ اس کا جاننا اور اس کی اپنی عقل سے تفصیل کرنا مدار ایمان ٹھہرایا، اور کسی حیثیت سے دینی اسلام نے اپنے مومنین سے اس پر ایمان لانے کا مطالبہ کیا، اس کے متعلق آپ کا تقیاً یا انشائیہ کونسا ہے؟ تقیاً کرنا اور اس کو اسلام کا سببی قرار دینا کیا حقیقت دہی ہے؟ کیا اس بارہ میں آپ کا فعل وہ دوسرے فرقوں کے فعل کے مقابلہ میں کچھ زیادہ مستحسن ہوگا؟ اگر ان گروہوں کے کھولنے کے لئے آپ کی عقل یہیر بن سکتی ہے تو آپ آگے بھی بڑھ سکتے ہیں، اور نعوذ باللہ پیغمبروں کی آمد و بشت سے بھی اپنے کو مستثنیٰ بنا سکتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر تقریباً ایک لاکھ نفوس قدسید نے ایمان و اسلام کی بیعت کی، لیکن کیا آپ کو وہ دفعات نامعلوم ہیں جن پر ان کے ایمان اور اسلام کی بنا تھی، کیا آپ کے پیروکار وہ مفاد کلامی میں سے ایک بھی ان کے سامنے پیش کیا گیا تھا، اگر نہیں تو اپنے خود ساختہ اصول کی حیثیت سے نعوذ باللہ آپ ان کو کیا کہیں گے، ان کا ایمان صرف یہ تھا جس کو سورہ بقرہ کے اول و آخر میں بیان یہ کیا ہے،

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهِ

وَكَيْفَ كَانَتْ اٰيَاتُ الْكُفْرِ اَنْزَلَ اِسْمَ الْيَوْمِ لِيَا

نے اس کا مطالبہ کیا ہے، یا جہاں تک سنتِ نبویہ اور سنتِ نبویہ کے ثابت کر دیا ہے، کیونکہ یہ متفق طور سے ثابت ہے کہ عقائد کا ثبوت صرف قرآن مجید سے ہو سکتا ہے، اور احادیث میں سے صرف اُن حدیثوں سے جو درجہ قوتِ مذکورہ میں، ۱۔ شبِ آخرِ کشتہ و افسانہ انسان کی غیر

قدما کے نزدیک اہل سنت کے معنی

کل کی نشست میں ہم نے بتایا تھا کہ قدمائے اہل سنت کے یہ دو اصول تھے،

(۱) حضرت حسن اشعریہ وسلم عقائد و اعمال کے متعلق اپنی امت کو جو کچھ تعلیم و تلقین فرمائے اس پر ایک ذرہ کا اضافہ یا اس سے ایک ذرہ کمی نہیں ہو سکتی۔

(۲) خدا کی ذات و صفات و دیگر عقائد کے متعلق قرآن نے جو بیان کیا ہے یا پیغمبر نے جو توجہ کچھ بتا ہے، اور ان کی نسبت اہل ایمان تفصیل جو کچھ اور جس حد تک انھوں نے تفسیر و تشریح کی ہے، اسی پر ایمان لازم واجب ہے، اپنی عقل و قیاس اور استدلال سے بن کی تفسیر و تشریح کوئی حق نہیں، اور نہ اس پر ایمان لازم ہے۔ ایمان کا جزو نہ ہو سکتا ہے۔

یہ دو اصول ایسے ہیں جن کے اثبات کے لئے کس مزید دلیل کی

حاجت نہیں کیونکہ جیسا ہم اس سے پہلے ہم نے کہا ہے کہ یہ آخر ایسے

مسائل میں جن کی نسبت عقل کا نفی یا اشتباہ ہر قسم کا فیصلہ ناقابل
مقابلہ ہے کہ یہ حدود اس کی دسترس سے باہر ہیں، اور اسی لئے ہم کو
ایک پیغمبر کی ضرورت ہے، جو ہم سے علم کی دسترس سے باہر کی چیزوں
کو ہمارے حق میں جہاں تک مفید و نافع ہو تعلیم دے، اور جب یہ
مقدمہ صریح ہے تو ان مسائل کی خاص عقل کی رو سے تفسیر یا اضافہ
یا استقاط درحقیقت اپنے پہلے دعویٰ کا ابطال ہے،

لیکن اس قیاس کو چھوڑ کر ہم کو قرآن و سنت سے ان اصولوں
کی صحت ثابت کرنی چاہیے، اس کے لئے ہم اپنے دوستوں کو
اپنی پہلی اور دوسری نشست کی تفسیریں یاد دلا رہے ہیں
جن میں قرآن و سنت سے اس اصول کو ثابت کیا گیا ہے، آج کے
جلسہ میں ائمہ مختلف اور قہرمان اہل السنۃ کے اقوال سے دکھانا
ہے کہ ان رسمی فرقوں کے پیدا ہونے سے پہلے اہل السنۃ کے کیا
معنی تھے،

امام مالک بن انس اہل السنۃ کا عقیدہ بتاتے ہیں،
الکلام فی المذنب انہ ہدایۃ فی
الصلوٰۃ کما جوسہ وینجون عنہ ہوں، اور ہمیشہ کماست شہر
نحو الکلام فی راۃ جنہم والقدروا (مدینہ) کے علماء اس کو پسند
اتبعوا الذلک واما جمع الکلام کرتے رہے ہیں، اور اُن سے

الایمان تحتہ عمل نامہ الکلام فی روکتے رہے ہیں، مثلاً جہم کی
 دین اللہ ولی اللہ مروجہ جل ملکوت رائے اور قدر میں گفتگو کرنا،
 احیائی لائی رأیت اہل بلدنا میں بحث و مباحثہ ان امور
 پنہون من الکلام فی الدین لافیا میں ناپسند کرتا ہوں جن کے
 تحتہ عمل۔ تحت میں کوئی عمل نہ ہو،

دعا سے یا یا العلم ابن عبد البر لیکن خدا کے عقائد اور خود
 خدا کی ذات میں سکوت خدا کی نزدیک پسندیدہ ہے
 کیونکہ ہم نے اپنے شہر کے ملکہ کو دیکھا ہے کہ عقائد میں
 گفتگو کرنے سے روکتے تھے اور ان امور میں کرتے تھے جن
 کو عمل سے تعلق ہو،

امام موصوف نے نہ صرف یہ اپنا اصول بتایا، بلکہ اپنے تمام
 پیشہ وران کا طریقہ بھی بتایا اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ سلف کی
 زندگی کی اصلی روش، غل تھا تخیل نہیں، وہ صرف ان امور میں
 گفتگو کرتے تھے جن پر عمل بھی ہم کو کاربند ہونا ہے۔

امام بخاری نے خلق افعال العباد میں سلف صالحین کا مذہب

کہتے ہیں۔

وانهم كرهوا الحديث والشغب
عن الاشياع انما مضت وتجنبتوا
اهل الكلام والحوض والتنازع
الا فيما جاء فيه العلم او بينه
رسول الله صلى الله عليه وسلم
انهم في ان شكل مسائل
میں بحث و گفتگو کرنا پسند
کیا اور جو لوگ ان میں گفتگو
غور اور نزاع کرتے تھے ان
سے پرہیز کیا، لیکن جن مسائل
میں علم (خدا کی طرف سے)
آیت یا آنحضرت سلم نے اس
کو بیان کر دیا ہے، اس میں
انھوں نے غور و فکر اور بحث
کی۔

امام ترمذی ائمہ سنت کا اصول بتاتے ہیں،

والله يهتفي هذا عند اهل
العلم من الاشعة مثل سفیان
الثوري ومارك بن انس ومثيان
بن سفيان وابن ابي عاصم
وغیرهم انهم رويوا هذه الاشياء
وقالوا هي هذه الاحاديث
ائمہ اہل علم جیسے سفیان ثوری
مارک بن انس، سفیان بن
عیفہ، عبد اللہ بن مبارک اور
وکیع وغیرہ کا اس بارے میں
مذہب یہ تھا کہ انہوں نے
ان بیگزوں کی روایت کی

وَنُؤْمِنُ بِمَا لَا يُقَالُ كَيْفَ ۚ وَ
 هَذَا مِنْ اخْتَارِهِ أَهْلُ الْحَدِيثِ
 اِنْ يَرَوْا هَذِهِ الْأَشْيَاءَ كَمَا
 جَلُوتَ دُرُومٍ بِهَا وَلَا تَفْسُرُ
 وَلَا يَقْوَمُ وَلَا يَقَالُ كَيْفَ ۚ وَ
 هَذَا إِصْرُ أَهْلِ الْعَمِّ الَّذِينَ
 اخْتَارُوهُ فَذَهَبُوا إِلَيْهِ،

اور کہا ہم ان حدیثوں کی روایت
 کرتے ہیں، اور ان پر ایمان
 رکھتے ہیں، اور یہ نہیں کہا
 جائے کہ یہ کیوں کر ہے اور
 اسکی مذہب کو اچھڑیٹ نے
 اختیار کیا ہے کہ ان باتوں
 کی روایت کر دیں جس طرح
 وہ آئی ہیں، اور ان پر ایمان
 رکھا جائے اور ان کی تفسیر نہ
 کی جائے اور نہ دہم کیا جائے
 اہل علم کا یہی مذہب ہے،
 اور اسی کو پسند کیا ہے،

حدیث ابن عبد البر قدمائے اہل سنت کا مسلک بتاتے ہیں

لَإِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ لَا يَرُوصَفُ عِنْدَ
 الْجَمَاعَةِ أَهْلِ السُّنَّةِ إِلَّا بِمَا
 وَصَفَ بِهِ نَفْسَهُ أَوْ وَصَفَهُ بِهِ
 رَسُولُهُ أَوْ اجْتَمَعَتِ الْأُمَّةُ عَلَيْهِ
 وَلَيْسَ كَشَيْءٍ غَيْرِهِ لِقِيَاسٍ
 اس لئے کہ خدا نے پاک کا وصف
 جماعت، یعنی اہل سنت کے
 نزدیک وہی ہو سکتا ہے جس
 کو خود خدا نے بیان کیا ہے
 یا اس کے رسول نے یا تمام

~~~~~

ادب معارفی و تعلیمی سے متعلق

فی اللہ دُعمو، باستغفر لی خستہ ہے، خدا کی مثل کوئی شے تو ہے

الدائم غيب ،  
نہیں بھرتی سے مانگوں فکر

اجلاس بینات العلم، ص ۵۰، پھر: سے دو کیونکر: ریافت کے

مکتبہ، ہم کو خدا کی ذات

میں فکر کرنے سے منع کیا ہے

اور اس کی مصنوعات و مصنوعات

میں غور و فکر کا حکم دیا گیا ہے جو

حق کے وجود اور مستی پر دامن نہیں

۱۱۔ بستی علم نے سمت کا متفق علیہ اصول بناتے ہیں۔

فاما الاستواء فالتقديس صوت      ليكن عرض يربو ابرهونا تو

من اَصْحَابِ بَنِي إِسْرَءِیْلَ الَّذِیْنَ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِثْقَالَ حَبِّ خَمْسَةٍ اَنْ یَّکُوْنُوْا رٰسِخِیْنَ فِی الْاَرْضِ ۚ فَاٰتٰهُمْ اَنْبِیَآءَهُمْ فَقَالُوْا اِنَّا لَمُشْرِكُوْنَ ۚ

کافور الایغترہ نہ ولای شکمون نہیں کرتے تھے اور نہ اس میں

فیہم ۛنحویذہبہم فی اسالی ذلک ۛحمت کرتے تھے ۛیسرا کہ ان

زمبابوے نامیہ (دعوت) کی مندرجہ ذیل اس قسم کے فرد

مسائل میں بھی ہے،

دارِ قلعہ میں ہمیشہ خراسانی کی روایت ہے ایک حدیث

خاتون کتاب الاثر، شمس گوشتیاف زادی ہے۔ میرے تعلق چارہ مدینہ آغعلی خانیہ کے تعلق

اس کی وجہ سے اس کے لئے زیادہ کام ضروری ہوگا۔ درج ذیل باتوں کے بارے میں غور کریں۔



ہے کہ مکہ معظمہ کی مسجد خیف میں ضحاک بن مزاحم، حسن بن ابی الحسن  
طاؤس بن یحییٰ، بحکول شامی عمرو بن دینار کی جو اپنے اپنے خط سے امام  
اور مشہور محدث اور تابعی تھے جین ہوئے اور قدر میں نقشہ میں  
شروع ہوئیں، طاؤس جو سب میں مقبول تھے بولے، خدا آپ لوگ  
چپ رہنے تو میں حضرت ابوہریرہ کی حدیث آپ کو سناؤں  
اے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے،

ان الله افترض عليكم فرائض خدائے چند باتیں فرض کی ہیں  
فلا تضيعوها، وحدلكم حدودا ان کو ضائع نہ کرو اور تباہی  
فلا تقربوها، ونهكم من اشياء لے کچھ حدود قائم کر دیئے ہیں  
فلا تنتهوا، وسكت من اشياء ان سے پکاؤ نہ کرو، اور چند  
من غير نسيان فلا تكلفوها رجوہ باتوں سے منع کیا ہے ان سے  
من ركبكم فاقبلوها، باز رہو، اور بغیر بھول چوک  
سے بعض باتوں سے وہ غلاموش  
ربان ان میں زبردستی کرے  
کو ششیں نہ کرو، خدا نے اپنی  
رحمت سے ایسا کیا تو اس کو  
قبول کرو

حافظ ابن جریر نے فتح الباری میں اس موقع پر جو تقریر کی ہے وہ

سننے کے قابل ہے، فرماتے ہیں،

”ان مسائل میں تاویل کرنا، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اور نہ کسی صحابی سے صحیح طریقہ سے مروی ہے، اور نہ اس بات کی ممانعت آئی ہے کہ ان مسائل کو بیان نہ کیا جائے، اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کی طرف سے حکم تھا کہ جو کچھ تم پر نازل ہو وہ لوگوں کو پہنچائی، یہ بھی خدا نے فرمادیا کہ الیہ واکملتکم دینکم آج اے مسلمانو! میں نے تمہارا دین کامل کر دیا“ اور باوجود اس کے آپ ان مسائل کا ذکر نہ فرمائیں، یہ محال ہے اور اس کی تفسیر ہو سکتی کہ خدا کی طرف کن صفات کی نسبت ہو سکتی ہے اور کن کی نہیں ہو سکتی، حالانکہ آپ نے تمام صحابہ کو تاکید فرمادی تھی کہ جو لوگ آپ کے سامنے موجود ہوں وہ آپ کے احکام ان لوگوں تک پہنچادیں جو موجود نہیں، یہاں تک کہ اسی بنا پر آپ کی ایک ایک بات، ایک ایک کام، ایک ایک حالت، اور ایک ایک واقعہ جو آپ کے سامنے ہوا، اس کو بیان کر دیا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا اس امر پر اتفاق تھا کہ ایمان اسی طرح لانا چاہیے جس

فرح خدا چاہتا ہے۔

ماظف صاحب کا مقصود ہے کہ خدا نے اپنے دین کے متعلق جو کچھ کہنا تھا وہ اپنے پیغمبر کی ذہالی انسانوں تک پہنچا دیا، صحابہؓ نے آپؐ سے جو کچھ سنا وہ اپنے بعد والوں تک پہنچا دیا، یہ مسائل اگر مذہب میں داخل ہوتے تو ضرور ان کی تعلیم ہوتی،

حضرت ثناء دل اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

”خدا اس سے بالاتر ہے کہ وہ عقل یا حواس کو دریافت ہو سکے یا اس میں صفتیں اس طرح موجود ہوں کہ جس طرح حوادث جو ہر میں ہو کر پائے جاتے ہیں، یا وہ اس طرح ہوں جن کو عام عقلیں ادراک کر سکیں، یا متعارف الفاظ ان کو ادا کر سکیں، یا اس پر یہ بھی ضروری ہے کہ لوگوں کو بتا بھی دیئے جائیں تاکہ جہاں تک انسانیت کی تکمیل ہو سکتی ہے ہو جائے، ایسی حالت میں اس سے چارہ نہیں کہ ان صفتوں کا استعمال ان معنوں میں کیا جائے کہ ان کے نتائج اور لوازم سمجھ لئے جائیں، مثلاً ہم خدا کے لئے ”رحمت“ ثابت کرتے ہیں اس سے مقصود احسانات کا فیضان ہے، دل کی خاص کیفیت نہیں (جو انسانوں میں پائی جاتی ہے)

اسی طریقہ سے خدا کی دسعت قدرت کے انہار کے لئے مجبوراً ہم کو وہ الفاظ استعارۃ استعمال کرنے پڑیں گے جو انسانوں کی قدرت و قوت کے لئے بولے جاتے ہیں۔ کیونکہ ان معانی کے ادا کرنے کے لئے ہمارے پاس اس سے بہتر الفاظ نہیں، اور اسی طرح تشبیہاً بہت سے الفاظ بولے جائیں گے، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ ان سے حقیقی معنی مروڑ نہ ہوں بلکہ وہ معانی جو خدا کی ذات کے لائق اور مناسب ہیں، تمام آسمانی مذہب کا اس پر اتفاق ہے کہ صفات اسی طرح پر بولے گئے ہیں اور اس پر کہ یہ الفاظ اسی طرح بولے جائیں، اور اس کے علاوہ کوئی اور حکمت و کاوش نہ کی جائے: اور یہی مذہب اس زمانہ کا تھا جس کی خیر و برکت کی شہادت دی گئی ہے (یعنی جمع تابعین کے عہد تک) اس کے بعد کچھ ایسے لوگ مسلمانوں میں پیدا ہو گئے جنہوں نے بغیر کسی نص قطعی اور دلیل مستحکم کے ان مسائل میں فکر و کاوش شروع کر دی۔

شاہ صاحب اپنے وصایا میں جو قاری زبان میں ایک رسالہ ہے لکھتے ہیں:-

”اول و سیت این فیر چنگ زدن است بکتاب و  
 صحت در اعتقاد و عمل، پیوستہ بتدبیر و دو مشغول  
 شدن در وقت اگر مذہب قدر ما و اہل سنت اختیار  
 کردن و اس ماقضیل و التفیش آنچه سلف تفتیش  
 نکردند اعراض نمودن و بہ تشکیکات عام معقولیان  
 التفات نکردن“

شاہ صاحب اپنے رسالہ تاریل الاحادیث میں فرماتے ہیں۔  
 ثم نشأنا من سمن      امک بعد کچھ لوگ پیدا ہوئے  
 یسعون انفسهم اهل      جو اپنے کو اہل سنت کہتے ہیں  
 السند و اسنہ منہم      حال نہ سنت ان سے براہل  
 ببرا حل، فتکلفوا ما لا      دیکھتے تو انہوں نے اس میں  
 یعنہم، ولم یات بہ      تکلیف سے بات کہی جس کی  
 نبیرہم فی انہم من      ضرورت نہ تھی، اور نہ جس کو  
 معصیۃ غت فی ہمت      ان کے رسول لیکر آئے تھے تو  
 واللہ المستعان۔      ہائے وہ معصیت جو لوگوں  
 میں پھیل گئی اور اس نے نہ چھا

بنادیا۔

پچھتر سال کے آخر میں فرماتے ہیں،

ولایذہب علیک ان تم سے یہ مخفی نہ رہے کہ اس  
الطریق المستقیم فی ہذہ مسئلہ میں اس قبیل کے تشبیہات  
المسلۃ وما یشبہہا من کے دوسرے مسئلوں میں جیسے  
التشبیہات صحابہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہاتھ اور  
والرجل من المعادیات پاؤں کا استعمال، اور قیامت  
وغیرہا ان یسرہا و معاد وغیرہ کے مسئلوں میں  
الاشان علی نظرہا صحیح اور سیدھا طریقہ یہ ہے  
ولا یشغل بکیفیتہ کہ انسان ان کو ان کے ظاہر  
وجودہا، ویعتقد مطلب پر رکھے، اور ان کے  
فی الجہان ما اراد اللہ وجود کی کیفیت سے بحث  
ورمولہ حق ولا یقول نہ کرے، اور مجملاً یہ عقیدہ رکھے  
ہذا ولم یرد ہذا، و کہ ان سے اللہ اور رسول کی  
مخردہ، ولذلک جو مراد ہے وہ حق ہے، اور نہ  
نری النبی صلی اللہ علیہ کہے کہ یہ مراد ہے اور یہ مراد  
وسم رذا اصحابہ نہیں ہے اور نہ اس قسم کی  
ولا تابعین لہم باتیں کریں، ہم دیکھتے ہیں کہ  
باحسان یشغلون نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ نے  
بشیء من ذالک وانما اور تابعین نے ان میں سے

جاء الاشغال به      کسی چیز سے بحث نہ ہائی  
 من المعتزلة حين      یہ بحث ومباحثہ اول مقرر ہے  
 اشترقوا من الفلاسفة      نے شروع کیا جب انہوں نے  
 واسترق اهل السنن      فلسفیوں سے ان باتوں کو  
 من المعتزلة، مدخل      چرایا، اور اہل سنت نے ان  
 فيهم ايناء      کو مقرر ہے چرایا، تو یہ چیز ان  
 کے اندر بھی داخل ہو گئی۔

اب ہم کو اپنے بیات کردہ گزشتہ اصول کلیہ کو جزئی مسئلوں  
 میں دکھا کر ثابت کرنا ہے کہ قدمائے اہل سنت اور اس عہد کے اعتقاد  
 ان مسائل میں کیا تھے، جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر و برکت

کا زمانہ فرمایا ہے،

**مسئلہ تقدیر یا جبر و قدر** اعتقادات میں سب سے  
 پہلے اسی مسئلہ میں گفتگو پیدا ہوئی، یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کا  
 جواب نہ صرف مذہب بلکہ فلسفہ کی زبان سے بھی شکل ہے۔ یہ نہ صرف  
 اسلام کا مسئلہ ہے بلکہ دنیا کا کوئی مذہب اس سے خالی نہیں، اور  
 درحقیقت مذہب کی روح اسی معجز العقول تم کے اندر پوشیدہ  
 ہے، اس کو جواب نصیاً یا نیا تا آزمائی ہو میں رہنا مذہب پر ایک  
 خطرناک حملہ ہے،





سمیع (سننے والا) اور بصیر (دیکھنے والا) وغیرہ صفات (صفات) اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کئے ہیں، اس لئے وہ ان صفات حسنہ کا یہ ہر وصف ہے اور وہ صفات اس کے لئے ثابت ہیں، دوسرا اصول یہ ہے کہ لَیْسَ کَمِثْلِ شَيْءٍ (اللہ کی مثل کوئی چیز نہیں) اس لئے ان صفات کی صورت اللہ تعالیٰ میں ایسی نہیں جو بندوں کی صفات کے مشعل ہو، لَمْ يَكُنْ لَكَ مِثْلًا، وَلَمْ يَكُنْ لَكَ مِثْلًا، وہ سننا ہے مگر سنا رہے سننے کی طرح نہیں، وہ دیکھتا ہے مگر دیکھ رہے دیکھنے کی طرح نہیں، بلکہ وہ اس طرح سننا اور دیکھتا ہے جو اس کی شانِ عالی کے لائق ہے۔ اس کی سول صفت بندہ میں نہیں پائی جاتی اور بندہ کی سول صفت اس میں پائی جاتی ہے، مُبْتَحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ، اللہ تعالیٰ پاک ہے اس سے جس کو مشرک اللہ میں شریک بتاتے ہیں۔

**قرآن** تو حادث و قدیم یا مخلوق و غیر مخلوق کہنا محتمل رسول اللہ کے معتقدات کی فہرست میں داخل نہ تھا، اسلام کی دعوت صرف یہ ہے کہ قرآن خدا کا کلام ہے، اور یہ کہ اس کے من اللہ ہونے کا یقین کامل رکھا جائے،

سفیان بن عیینہ اکابر اہل سنت میں شمار ہوتے ہیں، انہوں نے نہایت غضبناک ہو کر فرمایا،

وَحَكَمَ الْقَالَ كَلَامَ اللَّهِ كَذِبًا۔ افسوس تم پر قرآن خدا کا کلام

الناس وادركتهم، هذا عمرو ہے "میں نے بزرگوں کی صحبتیں  
 میں دیکھا، و هذا ابن المنكدر اٹھائی میرا، ان کا زمانہ پایا  
 حتی ذکر متصور، والا عشت ہے، یہ ابن و بناریہ ابن منکدر  
 و سمر بن کدام فقال یہاں تک کہ انہوں نے  
 ابن عیینہ قد تکلموا بالاعتزال منصور و عشت، سمر ابن کدام  
 و المرفض، و القدر، و امرو کا بھی نام یہ، ان لوگوں نے  
 باجتناب النعم، فوالمرق الزکون معتزلہ، ووافض، اور قدیرہ  
 الاکلام الله و من قال غیر پر اعتراضات کئے اور ان  
 هذا فعینہ لعنت الله سے بچنے کی تاکید کی، ہم صرف  
 (جزا، انکال العباد بخساری) یہ جانتے ہیں کہ قرآن خدا کا  
 کلام ہے اس کے سوا جس نے  
 اور کچھ کہا اس پر خدا کی لعنت

حافظ ابو احمد کہتے ہیں،

ما یرفس العصایہ رضی الله صحا پر کرام سے قرآن میں  
 عنهم اغوص فی القرآن، مطلق بحث منقول نہیں،

منصور بن عمار ایک محدث ہیں، ان سے کسی نے یہ مسئلہ

دریافت کیا کہ کلام الہی عین خدا ہے یا جزا خدا ہے، انہوں نے جواب

دیا "اللہ تعالیٰ ہم سب کو فقیہ ہے بجائے اہل السنۃ و الجماعۃ

میں سے بنائے بغیر دوسرے بعد ہندوں کے لئے خدا پر کوئی حجت نہیں ہے، ہم سمجھتے ہیں کہ قرآن کی نسبت یہ بحث بروت ہے، جس میں سائل اور مجیب دونوں شریک ہیں، سائل اس میں پڑتا ہے جو اس پر فرض نہیں اور مجیب تکلف وہ کرتا ہے جو اس پر فرض نہیں خدا کے سوا میں کسی کو خالق نہیں کہتا اور اس کے سوا سب مخلوق ہے، قرآن خدا کا کلام ہے اس کے بعد رک جاؤ، قرآن کی کوئی صلت اپنی طرف سے ذکر و درگم راہ ہوئے۔

(جزء افعال احباب بخاری)

اسی قسم کے اقوال اور ائمہ سے بھی ثابت ہیں۔

استقوا الله تعالى اسماء پر ہے، اور ہر جگہ ہے، قرآن

مجید میں یہ دونوں باتیں مذکور ہیں۔ یہ بھی ہے کہ،

أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُفُّوا لِرَبِّكُمْ جِدَّكُمْ مِمَّا كُنتُمْ تَعْلَمُونَ  
یہ بھی مذکور ہے،

أَلَمْ تَخْشَ عَلَى الْغَرَضِ اسْتَوَى خدا تخت پر برابر ہوئے

بعض ائمہ ان آیتوں کے معنی یہ لیتے ہیں کہ خدا وجود اسمان

پر ہے، لیکن اپنے علم کو دوسرے وہ ہر جگہ ہے، جمیعہ کا انفرادی ہے کہ خدا اپنے وجود کے لحاظ سے ہر جگہ موجود ہے، اہم مالک سے

حضرت شاہ عبدالغفار صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں اسکا ترجمہ بنا یا جا رہا ہے

کسی نے انوحین بھی العرش استوی کے معنی دریافت کیے، انھوں نے سن کر سر فٹھکا دیا، پھر فرمایا،

الاستواء معلوم والكیفاء  
محبصول والايمان به واجب  
والسوال عنه بدعه .  
ایمان لازماً واجب ہے اور اس  
کی کیفیت مجہول ہے، اس پر  
کے استواء کے معنی معلوم ہیں اس  
کی کیفیت مجہول ہے واجب  
والسوال عنه بدعه .

کے نسبت بہت سوال کرنا

بدعت ہے،

در حقیقت امام مالکؒ نے اندھنہ فقیروں میں قدمائے اہل  
السنۃ کے اصول کتبیہ کی تعلیم فرمادی ہے، یہی وہ اصول ہے جو ہر قسم  
کے ایبادات اور اعتراضات جنس کے لئے پھر ہے، انھوں نے  
اس کی وجہ بھی ظاہر کر دی ہے، انھوں نے کہا کہ اگر تمہارے اعتقادات  
کی بنیاد جملہ و مناظرہ اور دلائل عقلی پر ہے تو بالکل ممکن ہے کہ کل  
تم سے زیادہ پُر زور اور بولنے والا آدمی تمہارے سامنے آجائے اور  
اپنے دلائل سے تمہیں مغلوب کر دے، تو کیا تم اپنا مذہب چھوڑ دو گے،  
اور پرسوں اس سے زیادہ طبیعت دار اور چلتا ہوا تم سے دوہرو ہو  
ور وہ کل کے دلائل کو جن کو تم قائل ہو گئے تھے پر زور پڑھ  
کر دے تو کیا پھر اپنا مذہب بھی بدل دو گے اور اسی طرح ہر نئے

دن کے آفتاب کے ساتھ تہذیب و مذہب نکلتا رہتا رہے گا۔

### بعض شبہات کا ازالہ، یہ پورا مسئلہ معنون پرچہ

کرمتمن ہے کہ بعض صاحبوں کو یہ شک پیدا ہو کہ اہل السنۃ تہذیب کا عقل کے موافق ہونا ضروری نہیں سمجھتے ہیں۔

اس سوال کے حل کرنے میں دو باتیں قابلِ لحاظ ہیں، اول یہ کہ

ہم مذہب کو جن عقائد و امثال کا مجموعہ سمجھتے ہیں ان کا اس قدر حصہ

جس کو صاحبِ شریعت نے ہم پر کھول دیا ہے، اور جو در حقیقت

مذہب ہے۔ سنے اس کے تمام اصول و فروع بھی ہم کو بتا دیئے ہیں

اس کا ایک تہہ خلفِ عقل نہیں ہے، اس کے دلائل و ہر صرح میں

جو خود شریعت نے اپنے دعوؤں کے ساتھ پیش کئے ہیں اور وہ

تمام تر عقل کے مطابق ہیں، لیکن وہ حصہ جو در حقیقت مذہب کا

جز نہیں، یعنی ہمارے علمِ کلام کے وہ عناصر جو قرآن اور سنتِ صحیحہ

سے ماخوذ نہیں، اور جو باہمی فرقوں کے کلامی منسلکوں کی پیداوار

ہیں ممکن ہے کہ وہ خلفِ عقل اور مجموعہ غلطیات ہوں لیکن وہ در حقیقت

ہمارے دین کا جز نہیں،

(۱) دوسری بات قابلِ غور یہ ہے کہ جب ہم ایک شخص کو

**خلافِ عقل** کہنے کا دعویٰ کرتے ہیں تو اس کے دوسرے معنی

یہ ہیں کہ عقل نے مستملاً خود سے ایک بات پہنے سے غلط کر دی ہے جس

کے دلائل اس قدر مضبوط ہیں کہ وہ ٹوٹ نہیں سکتے، اب مذہب اس کے خلاف دوسری بات کہتا ہے جس کو مان لینا ایک ثابت شدہ قطعی مسئلہ کو ہٹل کر دینا ہے، لیکن خدا غور کیجئے کہ مذہب اور عقل کے درمیان جو مسائل متنازع فیہ کہے جاتے ہیں کیا ان کے متعلق یہ کہنا صحیح ہے کہ عقل نے مضبوط اور مستحکم دلائل سے اس طرح ان کو ثابت کر دیا ہے کہ وہ قطعی ہو گئے ہیں، اور ان کے خلاف کہنا ایک ثابت شدہ مسئلہ کا انکار ہے؟ حقیقتہً ایسا نہیں ہے، اس نے کسی شے کو **خلاف عقل** کہہ دیئے میں جلدی نہیں کرتی چاہیئے، زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہماری عقلیں اس کا فیصلہ نہیں کر سکتیں اور یہ سچ ہے،

مشکل عشق نہ در حوصلہ دانش راست

عقل این تختہ بایں فکر خطا نتوان کرد

اس آخری اعتراض آپ یہ کر سکتے ہیں کہ اس اصول کے مطابق تو اسلام کے خلاف مذاہب پر بھی کوئی عقلی اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ ان کی صحت کا معیار بھی عقل نہیں ہو سکتی، لیکن ہم یہ کہیں گے کہ اسلام کے جن مسائل کی تلقین کی ہے وہ سرتاپا عقلی ہیں، اور جب ان کے مخالف یا متضاد کوئی ہدایت کسی مذہب میں ہے تو درحقیقت وہ **خلاف عقل** ہے اور اس کی صحت کا

جائزہ عقل ہی سے لیا جاسکتا ہے، ہمارا مقصد اصلی یہی طرح سمجھ لیجئے۔  
 قرآن اور سنت صحیحہ نے بتا دیا ہے کہ وہ ہماری عقل کے مطابق ہے۔  
 اور اسی پر آپ کو اکتفا کرنا چاہیے اور جو نہیں بتایا ہے، اس کی تشریح  
 اس میں زیادتی، یا اس میں کمی، بقدرہ عقل جائز نہیں، یعنی بس راستہ  
 پر ہم کو اپنی روشنی سے نہیں بلکہ خدا کی دی ہوئی روشنی کے سہارے  
 سے چلنا چاہیئے۔

(۴) آخر میں ایک اور غلطی دور کر لینا چاہیئے، میری تفسیر سے یہ  
 مطلب نہ سمجھا جائے کہ عقل بیکار محض ہے، بلکہ وہ محدود العلم ہے  
 ہمارے حواس جو ہماری عقل کے ذرائع علم ہیں ان سے ہماری  
 عقلی عقل جو معلومات حاصل کرتی ہے، ان سے بڑھ کر آگے ناپڑے  
 محسوسات میں وہ بے کار ہے، اور یہ عقل کی تحقیر نہیں، بلکہ اس کے  
 علم کے دائرہ کی واقعی تحدید ہے، بصارت ایک خاص فاصلہ کے  
 آگے نہیں دیکھ سکتی، سماعت اپنے عمل کے لئے ایک مخصوص دائرہ  
 چاہتی ہے جس کے بعد وہ بے کار ہے، اسی طرح عقل انسان ایک  
 محدود دائرہ رکھتی ہے جس کے بعد وہ بے کار ہے، اور نیز جس طرح ہر  
 حاستہ اپنے خاص کام کے علاوہ دوسرا کام انجام نہیں دے سکتا،  
 اسی طرح عقل انسانی بھی اپنے خاص دائرہ عمل کے سوا دوسرا کام  
 انجام نہیں دے سکتی، جو شخص اس بات کا شک کی ہے کہ ہم مادیات

میں رہ کر اپنی حق کے ذریعہ سے مالدورائے ماقہ کے حالات سے  
 کیوں واقف نہیں ہو سکتے، اس کو سب سے پہلے یہ شکایت کرنی چاہیے  
 کہ لکھنؤ میں رو کر ہم کو لندن کی مل تین کیوں نظر نہیں آتیں، اور  
 ہندوستان میں ہم کو فرانس کے میدان جنگ کی توپوں کی آوازیں  
 کیوں سنائی نہیں دیتیں؟





## اہل السنۃ کے عقائد صحیحہ

### عقائد کی افادیت: یہ سارے مباحث جو اوپر

گزرے۔ یہ حقیقت میں حق کی کشمکش، ورنہ یہی الجھاؤ کو عقل کی راہ سے سمجھنے کی کوشش ہے، حالانکہ اس کے متعلق یہ مصلح ہے کہ

کوئس نمشور و کثیر ید حکمت، یرمعا

اس لئے اہل حقیقت سے ان الجھنوں میں پڑنے سے نہ کوئی فائدہ

ہوا ہے ورنہ ہو سکتا ہے، اس لئے اسلام نے صرف اُن عقائد پر

دور دیا ہے جو انسان کے ایمان و اخلاق و کردار پر مؤثر ہوں، جو اس

کو خیر اور نیکی کی طرف دعوت دیں، اور بُرائی، اور شر سے اس کو

بچائیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی توحید کو منشاء یہ ہے کہ اس کے سوا نہ

کوئی نافع ہے، اور نہ خسار، نہ کوئی نفع پہنچا سکتا ہے، نہ نقصان، ہر

حالت میں اسی کو پکڑنا چاہیئے، اور اسی سے نہیں مدد مانگنا چاہیئے

اس کے سوا کسی کا کوئی حقیقی ملجا و ماویٰ نہیں، وہ اپنے تمام

صفات میں ہمہ گیر ہے، تمام اوصاف حسنہ اور اسما و حسناتی

کا وہ جامع ہے، اس کا حکم ہے جو ماری دنیا میں جاری ہے، وہ جو

مذکورہ بالا عقائد پر مبنی ہے، اور ان کے مطابق زندگی گزارنا ہے،

چاہتا ہے وہ کرتا ہے، اور جس کا چلے حکم دیتا ہے، وہی کرتا ہوں کہو  
معاف کرتا ہے وہی غیب کا حال چاہتا ہے،

غرض اپنے ان تمام اوصافِ حسنہ کی تعلیم بندہ کو اس لئے  
دی ہے کہ بندہ کو خدا کی معرفت حاصل ہو، اور بندہ اس کے اوصافِ  
جالیہ کی بناء پر اس سے محبت کرے اور اس کے اوصافِ جلیہ کا  
خیال کر کے اس سے ڈرے، اور خدا کے اچھے صفات کا عکس اپنے  
اندر پیدا کر سکے۔

**اہل سنت کے عقائد:** یہ چند باتیں بطور مثال سے بھی  
ہیں، اسی طرح دوسرے عقائد بھی ہیں، جن کا اثر بندہ پر کسی نہ کسی  
طرح پڑتا ہے، اور وہ اُن سے معرفت یا عمل کا فائدہ اٹھاتا  
ہے، ذیل میں ہم ان عقائد کو جو اہل سنت کے نزدیک مسلم ہیں  
اس غرض سے درج کرتے ہیں تاکہ عام مسلمان اہل سنت کے  
عقائد مسلمہ پر مطلع ہوں، اور اس سے اپنے عقیدہ کی تصحیح کریں، تاکہ  
ایمان صحیح و کامل نصیب ہو۔

اہل سنت کے عقائد کا ماب سے مختصر مضمون فوریہ ہے،  
بشہادت لا الہ الا اللہ وان  
مُعتد رسول اللہ، میں زبان اور دل سے ہوا  
درتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی  
معبود نہیں اور محمد اللہ کے

رسول ہیں۔

اس شہادت کے فقہ اولیٰ کو شہادتِ کو حید اور فقہ ثانی کو شہادتِ رسالت کہتے ہیں، ظاہر ہے کہ ہند جب اللہ کے رسول اور کوسبود نہیں مانتا، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول نہ جان سے تسلیم کرتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جس قدر احکام نازل ہوئے ان سب کو وہ مانتا ہے۔

لیکن اس جہل کے بعد مزید تفصیل کوئی چاہتا ہے، تو وہ

یہ ہے۔

آمَنتُ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَكُتِبَہٗ عَلَیَّ  
وَرَسُولِہٖ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ وَالْقَدَرِ  
خَیْرٌ وَشَوَّہٗ مِنْ اللّٰهِ تَعَالٰی  
میں ایمان لیا ہوں اللہ پر  
اور اس کے فرشتوں پر، اور  
اس کی کتابوں پر اور اس کے  
رسولوں پر اور آخرت پر اور  
اس بات پر کہ جو چاہا ہے  
ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی  
حرف سے مقدر ہے،

جمرہ جب رسولوں اور کتابوں پر ایمان لایے تو سارے صحیح  
تقدیدے اور اللہ تعالیٰ کے سارے احکام ان میں داخل ہو گئے،

لیکن چونکہ یہ بھی مجمل ہیں، اس لئے علماء محققین نے ان امور کو جن کو خاص طور سے خیال میں رکھنا چاہیے، کتاب و سنت سے لے کر کچا کر دیا ہے تاکہ ہر مسلمان ان کو خوب سمجھ کر مان لے، تاکہ اس کے مطابق اس کے دین کے سارے کام درست ہو جائیں،

**اَوَّلُ اِيْمَانٍ بِاللّٰهِ** سب سے پہلا اور سب سے اہم بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں، اللہ تعالیٰ ہر ایمان لانے کے معنی یہ ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کو ان صفات کے ساتھ مانیں جن کو اللہ اور رسولؐ نے بتایا ہے، یعنی ہم یہ دل سے مانیں اور زبان سے اقرار کریں کہ اللہ ایک ہے، وہ ہمیشہ سے براہر ہمیشہ رہے گا وہ کسی کا محتاج نہیں، اور ساری چیزیں اس کے محتاج ہیں، اس کی تمام صفاتیں ابھی ہیں اور وہ ہر بُرائی سے پاک ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے، وہ سنا اور دیکھتا ہے، وہ چُھپے اور کھلے ہر شے کا علم رکھتا ہے، اس کو موت نہیں آتی، اس کو زندہ نہیں آتی، دنیا اور دنیا کی ساری چیزیں پہلے نہ پیدا تھیں، اللہ تعالیٰ نے، اپنے ارادے اور مشیت سے ان کو پیدا کیا اور وہ جب چاہے ان کو فنا کر دے، وہ کلام کرتا ہے، اس کا کوئی سنا بھی اور سمجھتی نہیں، اس جیسا کوئی نہیں، نہ اس کے ماں اور باپ ہے، اور نہ اس کی کوئی اولاد ہے، وہ ان سارے جسمانی رشتوں سے پاک ہے، وہ

ساری دنیا کا بادشاہ ہے۔ اس کے حکم سے کوئی باہر نہیں، نہ اس کی قدرت سے کوئی چیز خارج ہے، وہ اپنے بندوں پر مہربان ہے، وہی پیدا کرتا ہے، اور وہی موت دیتا ہے، وہی اپنے بندوں کو سب آفتوں سے بچاتا ہے اور وہی عزت والا ہے، بڑائی اور عظمت اور کبریاں والا ہے۔ گناہوں کا بخشنے والا ہے، زبردست ہے۔ بہت دینے والا ہے، روزی پسپانے والا ہے جس کی روزی چاہتے تنگ کرے، جس کی چاہے فراخ کرے، جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلت دے، جس کو چاہے پست کرے، جس کو چاہے بلند کرے۔

**صفات**، خالق تعالیٰ میں مخلوق کی سی کوئی صفت نہیں پائی جاتی، اور وہ خالق تعالیٰ کی سی کوئی صفت مخلوق میں پائی جاتی ہے، قرآن اور حدیث میں بعض جگہ جو ایسی باتوں کی خبر دی گئی ہے تو یا تو ان کے معنی کو اللہ کے سپرد کریں کہ وہی اس کی حقیقت جانتا ہے اور ہم بے کھود گمراہ نہ ہوئے ایمان اور یقین کر لیں، اور یہی بہتر ہے، یا پھر کچھ مناسب معنی اس کے لگا لئے جائیں، جس سے وہ سمجھ میں آجائے، جیسا کہ علمائے متاخرین نے اختیار کیا ہے،

**ایمان بالقدر**، عالم میں جو کچھ تجلّٰی بڑا ہوتا ہے سب کو اللہ تعالیٰ اس کے ہونے سے پہلے ہمیشہ سے جانتا ہے اور اپنے

جانتے کے موافق اس کو پیدا کرتا ہے۔ تقدیر اس کا ناک ہے۔

**جبر و قدر**، بندوں کو اللہ تعالیٰ نے سمجھ، ارادہ دیا جس

سے وہ گناہ اور ثواب کا کام اپنے اختیار سے کرتے ہیں، مگر بندوں

کو کسی کام کے پیدا کرنے کی قدرت نہیں ہے، گناہ کے کام سے اللہ

تعالیٰ ناراض، اور ثواب کے کام سے خوش ہوتے ہیں۔

**تکلیف بالایطاق**، اللہ تعالیٰ نے بندوں کو کسی ایسے

کام کے کرنے کو حکم نہیں کیا جو بندوں سے نہ ہو سکے۔

**عدم وجوب اصلاح**، کوئی چیز خدا کے ذمہ ضروری نہیں

وہ جو کچھ مہربانی کرے اس کا نقص ہے،

**ایمان بالرسالت**، اللہ تعالیٰ نے بندوں کو سمجھانے اور

سیدھی راہ بتانے کو بہت سے پیغمبر بھیجے، ان پیغمبروں کو خدا نے

اپنے ارادہ اور پسند سے برگزیدہ کیا، وہ سب گناہوں سے پاک ہیں

ان آنے والے پیغمبروں کی پوری سنتی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے،

**معجزات**، ان کی سچائی بتانے کو اللہ تعالیٰ نے ان کے

ہاتھوں ایسی شکی بانیں کرائیں، جو اور لوگ نہیں کر سکتے، ایسی

باتوں کو معجزہ کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے ذریعہ

پنی ہدیتوں، تلقینوں اور حکموں پر مطلع فرمایا، اور ان پیغمبروں نے

ان کو سن کر اپنے زمانہ کے لوگوں تک پہنچایا، اس کو وحی کہتے ہیں

ان پیغمبروں میں سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام  
 تھے اور سب سے آخر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اورانی  
 درمیان ہیں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی دوسرا شخص  
 نبوت پر سمفراز ہو کر نہیں آئے گا، اور جو ایسا دعویٰ کرے وہ جھوٹا اور  
 نبوت و رسالت کا منصب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات  
 پر ختم ہو گیا، قیامت تک جتنے آدمی اور جن ہوں گے سب کے آپ  
 ہی پیغمبر ہیں۔

ہاں پیغمبروں میں سے بعضوں کا مرتبہ بعضوں سے بڑا ہے سب  
 میں زیادہ مرتبہ ہمارے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔  
 معراج ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جائگے  
 میں جسم کے ساتھ مکہ سے بیت المقدس تک، اور وہاں سے ساتوں  
 سمانوں پر، اور وہاں سے جہاں تک منظور ہوا پہنچایا، اور پھر واپس  
 مکہ میں پہنچا دیا، اس کو معراج کہتے ہیں۔

ایمان بالملائکہ، اللہ تعالیٰ نے کچھ مخلوقات کو نور سے  
 پیدا کر کے ان کو ہماری نگاہوں سے پوشیدہ کیا ہے، ان کو فرشتے  
 کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے تہ مجرنا لم کے بہت سے کام اپنے ارادہ اور  
 مشیت سے کسی مصلحت سے ان کے سیر رکھنے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ

کے حکام بجاتے ہیں، اور اپنے سپرد شدہ کاموں کی انجام دہی میں کبھی مترن یا نافرمانی نہیں کرتے، وہ نہ انسانوں کی صرح کھاتے اور پیتے ہیں اور نہ انسانوں کی صرح مرد و عورت میں، شیاطین و جنات، اللہ تعالیٰ نے کچھ مخلوقات آگ سے پیدا کئے ہیں اور ان کو ہادی نظموں سے پرشیدہ کیا ہے ان کو جن کہتے ہیں، ان میں نیک و بد سب طرح کے ہوتے ہیں، ان کے اولاد بھی ہوتی ہے، ان سب میں سب سے زیادہ مشہور شریعہ الیس یا شیطان ہے، جو لوگوں کو گناہ پر آمادہ کرتا ہے اور ان کے دلوں میں دسو سے ڈالتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے،

**اولیاء** مسلمان جب خوب عبادت کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے حکموں پر پوری طرح چلتا ہے، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طور طریقہ پر عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو محبوب رکھتے ہیں، ایسے شخص کو ولی کہتے ہیں،

**گمراہی** ایسے شخص کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ بعض ایسی باتیں ظاہر کرتا ہے، جو اور لوگوں سے نہیں ہو سکتیں، تو ایسی باتوں کو گمراہی کہتے ہیں، ولی خواہ کتنا ہی بڑا ہو جائے مگر نبی کے برابر نہیں ہو سکتا، وہ خدا کا کیسہ ہی پیارا ہو جو کئے مگر جب تک اس کے ہوش و حواس درست ہیں شرع کا پاس نہ رہنا فرض ہے، نماز



روزہ، اور کوئی فرض عبادت معاف نہیں ہوتی، اور جو گناہ کب  
 باتیں ہیں وہ اس کے لئے درست نہیں ہو جاتیں،  
 جو شخص شرع کے خلاف ہو وہ خدا کا دوست یا دلی نہیں  
 ہو سکتا،

کشفِ اولیاء اور ایسے آپہ کو بھیجید کی بعض باتیں سوتے  
 یا جاتے ہیں معلوم ہو جاتی ہیں، ان میں جو شرع کے موافق ہو وہ  
 قبول ہے، اور اگر خلاف ہے تو رد ہے،

پدرِ عمت، انشاء و رسول نے دین کی سب ضروری باتیں  
 قرآن و حدیث میں بتدو کو بتادی ہیں، اب دین میں کوئی نئی  
 بات نکالنا جو دین میں نہیں، درست نہیں، ایسی نئی بات کو بدعت  
 کہتے ہیں، بدعت بہت بڑا گناہ ہے،

اجتہاد، دین کی بعض ایسی باتیں جو صریحاً قرآن و حدیث  
 میں بیحد مذکور نہیں ہیں، دین کے بڑے بڑے عالموں نے جن کو  
 قرآن و حدیث کے علم میں کمال تھا، اپنے علم و فہم کے زور سے  
 قرآن و حدیث سے نکال کر بیان کی ہیں، وہ بدعت نہیں ہیں، ایسے  
 عالموں کو مجتہد کہتے ہیں، جن میں سے چار مشہور ہیں، امام ابو حنیفہ  
 ۱، امام شافعی ۲، امام مالک ۳، امام احمد بن حنبل ۴،

ایمان بالکتاب، اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں پر مختلف

زبانوں میں چھوٹی بڑی بہت سی کتابیں (تاریخیں) جن میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کے ذریعہ سے اُن کی امتوں کو اپنے احکام اور ہدایات سے مطلع فرمایا، ان میں چار کتابیں بہت مشہور ہیں، تواریخ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملی، زبور جو حضرت داؤد علیہ السلام کو ملی، انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور قرآن مجید ہمارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ یہ قرآن مجید آخری کتاب ہے اب اس کے بعد کوئی آسمانی کتاب نہیں آئے گی اس کتاب کی کس ادنیٰ بات کے صلہ انکار کرنے سے آدمی کا فسق ہو جاتا ہے، قیامت تک قرآن کا حکم چلتا رہے گا، دوسری آسمانی کتابوں کو مگر وہ لوگوں نے بہت کچھ بدل ڈالا، مگر قرآن مجید کی نگہبالی کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے، اس کو کوئی بدل نہیں سکتا،

### صحابی ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جو جس مسلمان

نے دیکھا اس کو صحابی کہتے ہیں، ان کی اعلیٰ قدر و مراتب بڑی بڑی ہو گئیں آئی ہیں، ان سب کے نبوت اور اچھا لگنا رکھنا چاہیے اگر کوئی لڑائی جھگڑا ان کا سننے میں آئے تو اس کو ان کی بھول چوک سمجھے، جرائز نہ کرے، ان سب میں بڑھ کر چار صحابی ہیں، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، پیغمبر صاحب کے بعد ان کی جگہ پر بیٹھتے، اور دین کا بندوبست کیا، اس لئے یہ اول خلیفہ مہدی ہے

ہیں۔ تمام امت میں یہ سب سے بہتر ہیں، ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ، دوسرے خلیفہ ہیں، ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، تیسرے خلیفہ ہیں، ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، چوتھے خلیفہ ہیں،

**اہل بیت**، پیغمبر صاحب کی اولاد اور یہاں سب تعظیم کے لائق ہیں، اولاد میں سب سے بڑا رتبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ہے اور سیبیوں میں حضرت خدیجہ و حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہاں تمام مسلمانوں کی مانیں ہیں، اس لئے ان کا احترام کریں، اور اہل بیت سے محبت رکھیں،

**کفر کی بعض باتیں**، ایمان جب درست ہوتا ہے کہ اللہ اور رسول کو سب باتوں میں سچا سمجھے، اور ان کو دل سے مانے، اور زبان سے اس کا اقرار کرے، اور عمل سے ظاہر کرے، اور اللہ و رسول کی کسی بات میں شک کرنا، یا اس کو جھٹلانا، یا اس میں عیب لگانا، یا اس کے ساتھ مذاق اڑانا، ان سب باتوں سے ایمان جاتا رہتا ہے،

قرآن و حدیث کے کھلے کھلے مطلب کو نہ ماننا، اور ایچ پیج کر کے اپنے مطلب بنانے کو معنی ٹھکانا، بدینی کی بات ہے، لگنا

کو حلال سمجھنے سے ایمان جاتا رہتا ہے، گناہ خواہ کتنا ہی بڑا ہو جب تک اس کو برا سمجھے، اس سے ایمان نہیں جاتا، البتہ کمزور ہو جاتا، اگر اللہ تعالیٰ سے ٹکر ہو جاتا، یا اس کی رحمت سے، یا یوس ہو جانا کفر نہ کسی سے قیاب کی باتیں پوچھنا اور اس کا یقین کرنا کفر ہے، البتہ نبیوں کو وحی سے اور ولیوں کو کشف و الہام سے، اور عام لوگوں کو نشانہوں سے کوئی بات معلوم ہو سکتی ہے، کسی کا نام لے کر کافر کہنا یا لعنت کرنا بڑا گناہ ہے، ہاں یوں کہہ سکتے ہیں کہ ظالموں پر لعنت جھوٹوں پر لعنت، مگر جن کا نام لے کر اللہ و رسول نے لعنت کی ہے یا ان کے کفر کی خبر دی ہے، ان کو کافر و ظالمون کہنا گناہ نہیں ہے، گناہ کے ارتکاب سے آدمی کافر نہیں ہو جاتا، صرف گنہگار ہوتا ہے، ایسا شخص توبہ کرے، اور اللہ تعالیٰ سے دل سے معافی چاہے تو، اللہ تعالیٰ معاف فرما سکتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو توبہ کئے بغیر بھی وہ معاف کر سکتے ہیں،

**بہ بچھلے دن پر ایمان**، اس سے یہ مقصد ہے کہ موت کے بعد سے نئے قیامت تک اور قیامت کے بعد جنت اور دوزخ کے جوا حوال اور واقعات قرآن و حدیث سے ثابت ہیں، ایک مسلمان کا فرض ہے کہ دل سے ان کو صحیح یقین کرے اور زبان سے ان کا اقرار کرے، ان میں کسی ایسے واقعہ کا انکار جو قرآن اور حدیث

سے ثابت ہے کفر ہے، اور اس میں ایسا پیچ پیچ کر کے مطلب نکالنا جو عبارت کے صاف و صریح مطلب کے خلاف ہو بدین ہے۔

جس وقت انسان پر موت کے شمار طاری ہوتے ہیں اس پر بردخ گئے، حواس منکشف ہوئے لگتے ہیں، اب یہ توبہ کا وقت نہیں، اس وقت توبہ قبول نہیں ہوتی،

موت جس کے مقدر فرشتے مردہ کے جسم سے رُوح نکالتے ہیں، نیک لوگوں کی آس فی سکن ہے، ورنہ لوگوں کی بُری سختی اور تکلیف سے سخت ہے، اور سی وقت سے جزا اور سزا کا معاملہ شروع ہو جاتا ہے،

جب آدمی مر جاتا ہے اگر دفن کیا جائے تو گاڑنے کے بعد اور اگر دفن نہ کیا جائے تو جس حال میں ہو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ تیرا پروردگار کون ہے، تیرا دین کیا ہے، اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں، اگر وہ ایمان دار ہو تو ٹھیک ٹھاک جواب دیتا ہے، پھر اس کے لئے سب طرح کا جین ہے، اور فرشتہ اس سے کہتا ہے کہ آہ! کی تیرا سزا ہو جا، اور اگر وہ مردہ ایمان سے محروم ہو تو وہ برسرِ اند کے جواب میں یہی کہتا ہے کہ مجھے پتہ نہیں، تو پھر اس کے ساتھ سختی اور سزا کا معاملہ شروع ہو جاتا ہے،

بعضوں کو اللہ تعالیٰ اس امتحان سے معاف فرمادیتا ہے مگر یہ باتیں مردے کو معلوم ہوتی ہیں، ہر لوگ نہیں دیکھ سکتے، جیسا سوتا ہوا آدمی خواب میں سب کچھ دیکھتا ہے اور آرام اور تکلیف اٹھاتا ہے اور اس کے پاس بیٹھ ہوا دوسرا جاگتا آدمی اس سے بالکل بے خبر رہتا ہے۔

مردے کے لئے دعا کرنے سے یا کچھ خیرات دے کر بچنے سے اس کو ثواب پہنچتا ہے اور اس سے اس کو فائدہ پہنچتا ہے۔

خداوند رسول نے قیامت کی جتنی نشانیاں بتائی ہیں، سب ضرور ہونے والی ہیں، اماں مہدی علیہ السلام ظاہر ہوں گے، اور خوب انصاف سے بادشاہی کریں گے، یونان و چین کا، اور دنیا میں بہت فساد بجائے گا، اس کے مار ڈالنے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے اور اس کو مار ڈالیں گے،

یاجوج ماجوج دو زبردست قومیں ہیں، وہ تمام اروسے زمین پر پھیل پڑیں گی، اور فساد برپا کریں گی، پھر خدا کے قہر سے ہلاک ہوں گی۔ ایک عجیب طرح کا بادلوں زمین سے نکلے گا، اور آدمیوں سے بآس کرے گا، آفتاب مغرب کی طرف سے نکلے گا، اور قرآن ہمیشہ اٹھ جائے گا، اور چند روز میں تمام مسلمان ہلاک ہو جائیں گے،

اور تمام دنیا کافروں سے بھر جائے گی، کوئی اللہ کا نام نہ پڑھتا رہے گا۔

رہے گا، اور بہت سی باتیں ہوں گی، جب ساری نشہ نیاں چوری ہو جائیں گی تب قیامت کا سامان شروع ہوگا۔

**قیامت**، ایک زلزلہ جس کا نام اسرائیل ہے، خدا کے حکم سے صور پھونکے گا، جس سے تمام زمین و آسمان اور آفتاب اور "مارے اور پہاڑ سب ٹوٹ پھوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے تمام مخلوقات مرجائیں گی، اور جو رہے ہیں، ان کی روئیں بے ہوش ہو جائیں گی، مگر اللہ تعالیٰ کو جن کو چاہا منظور ہوگا، ان کو پہنچائیں گے ایک مدت اس کیلیت پر گزر جائے گی، پھر جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا کہ تمام عالم دوبارہ پیدا ہو، دوسری بار صور پھونکا جائے گا، اس سے پھر ساما عالم موجود ہو جائے گا، مردے زندہ ہو جائیں گے، اور قیامت کے دن میدان میں سب اکٹھے ہو جائیں گے۔ اور وہاں کی تکلیفوں سے گھبرا کر سب بیغیروں کے پاس سفارش کرانے جائیں گے، سب پھلے بڑے عمل لئے جائیں گے، ان کا حساب ہوگا، اعمال تو لئے جائیں گے جن کی نیکیوں کا پتہ بھاری ہوگا وہ جنت میں جائیں گے، جن کی برائیوں کا پتہ بھاری ہوگا، وہ دوزخ کے مستحق ہوں گے، اور جن کی نیکیاں اور بریاں برابر ہوں گی، اللہ تعالیٰ جو چاہے گا ان کے ساتھ معادلہ کرے گا نیکیوں کا نامہ اعمال دابنے ہاتھوں میں اور بُریوں کا نامہ اعمال ہاتھوں میں دیا جائے گا۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو حوض کوثر کا پانی پلائیں گے، جو درودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا۔ لوگوں کو پل صراط پر سے چلنا ہوگا، جو نیک لوگ ہوں گے وہ اس پار سے اُس پار کو کریمشت میں پہنچ جائیں گے اور جو بد ہیں وہ اس پر سے دوزخ میں گر پڑیں گے۔

**دوزخ** پیدا ہو چکی ہے۔ اور اس میں سانپ، بچھو، آگ اور طرح طرح کا عذاب ہے۔ دوزخیوں میں جن میں ذرا بھی ایمان ہوگا وہ اپنے اعمالِ بد کی سزا بھگت کر پیغمبروں، اور بزرگوں کی سفارش کے بعد حسبِ مشیت الہی بہشت میں داخل ہوں گے، خواہ وہ کتنے ہی بڑے گناہ گار ہوں اور جو کافر و مشرک ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، اور ان کو موت بھی نہ آئے گی۔

**شفاعت**۔ انبیاء و علیہم السلام اور بزرگ اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ان گنہگار مومنوں کے حق میں جن کے باب میں مشیت الہی کا اشارہ ہوگا، شفاعت کریں گے، اور اللہ تعالیٰ اپنی مشیت سے محض اپنے فضل و کرم سے قبول فرمائیں گے۔

**بہشت**، پیدا ہو چکی ہے، اور اس میں باغ، نہریں، میوے، مالِ شانِ مکانات، سایہ دار درخت، اور طرح طرح کے ایسے چین اور نعمتیں ہیں جن کا تصور بھی دنیا میں نہیں ہو سکتا، اور یہ سب نعمتیں



مازوال ہوں گی، میں اللہ تعالیٰ ان کو بخشیں گے، نہ وہ نف ہرما  
گی، بہشتیوں کو ہمیشہ کی زندگی حاصل ہوگی، وہیں ان کو نہ کسی کا علم ہو  
گا اور نہ خوف، اور نہ موت آئے گی۔

اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ چھوٹے گناہ پر سزا دیدے یا بڑے  
گناہ کو مؤخر اپنی مہربانی سے معاف کر دے، اور بالکل اس پر سزا  
نہ دے،

جن لوگوں کے آگے کر اللہ و رسول نے بہشتی ہونا بتا دیا، ان کے  
سوا کسی کے بہشتی ہونے کا یقینی حکم ہم نہیں لگا سکتے، البتہ جس نشانیاں  
دیکھ کر اچھا لگتا رکھنا، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید رکھنا ضروری  
ہے، بہشت میں سب سے بڑی نعمت اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کا  
حصہ ہے، اور اللہ تعالیٰ کے روبرو کی نعمت ہے جو بہشتیوں کو بہشت  
میں نصیب ہوگی، جس کے سہنے نام، اختیار سلطنت معنوی ہوں گی،

دنیا میں جگتے ہوئے، اٹ آکھوں سے اللہ تعالیٰ کو کوئی نہیں  
دیکھ سکتا، مگر کچھ گویا ہی بھلا بُرا ہو، مگر جس حالت میں موت آئے  
اور جس حالت پر خاتمہ ہو، اس کے موافق جزا و سزا ہوگی،

وَبَقَا غَفَرَ مَا ذُنُوبُهُ وَكَفَّرَ مَا سَيِّئَاتِهِ تَابَ وَتَوَقَّاهُ الرَّابُّونَ

سُورَةُ الرَّحْمٰنِ

# ضمیمہ

اُن فلسفیانہ اصطلاحات کی مختصر تشریح  
جو اس بے نظیر رسالہ میں آگئے تھیں

ان

نہ چنداں معتزلیہ نسبت حضرت ایمانؑ

علامہ محمد

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## جوہر

وہ شے جو بالذات قائم ہو یعنی اپنے قیام میں دوسرے کی محتاج نہ ہو  
جیسے دیوار اور سایہ کی مثال میں دیوار جو ہر تے سے کہ وہ اپنے قیام میں سایہ کی  
محتاج نہیں، سایہ رہے نہ رہے وہ اپنی جگہ کھڑا رہے۔

## عرض

وہ شے جو اپنے قیام میں دوسرے کی محتاج ہو مثلاً اوپر کی مثال میں  
سایہ عرض ہے کہ وہ اپنے قیام میں دیوار کا محتاج ہے دیوار نہ ہو تو اس کا وجود  
علامہ محمد۔

## غنیّت

و غریبوں پر کئے کہ دو چیزوں کا منسوق ہر طرح سے ایک ہو، کہ  
ان میں کسی قسم کا فرق نہ ہو سکے غنیّت کہلاتا ہے، مثلاً زیادہ ذات زید۔

## تغیریت

دو چیزوں میں سے کسی ایک کا دوسرے کے جنم وجود ہو سکتا، غیریت کہلاتا  
ہے، جیسے ذات باری تعالیٰ اور مخلوق سے سرگرمی کی تغیرات، باروں کے وجود  
نہیں ہو سکتی مگر ذات باری تو بغیر مخلوق کے بھی وجود ہو سکتی ہے، چنانچہ مخلوق کی  
ذکاوت سے پہلے بھی وہ موجود تھا، و لذات کو آثار کے ضمن موجود ہے گی، پس مخلوق اور  
خالق میں غیریت پائی جاتی ہے۔

## لَا عَيْنَ وَلَا غَيْرَ

مذکورہ بالا تعریف غیریت و غنیّت کے اعتبار سے خوب ذرا حق اور  
اسکی ذہنی صفات کو دیکھا جائے تو یہاں غنیّت ہی ثابت ہوتی ہے نہ غیریت،  
غنیّت تو اس لئے نہیں کہ صفات، ذات سے الگ اور باہر میں اور  
غیریت کہنے ہیں کہ ذات اور صفات میں سے ایک بھی چیز ایسی نہیں جو دوسرے  
کے بغیر پائی جا سکے، صفات غیر ذات کے اپنے وجود میں ہو سکتی ہیں کہ وہ ذات  
سے تیار ہیں اور تابع کا اپنے متصور کے بغیر پیدا جانا محال ہے، و ذات بغیر  
صفات کے، اپنے پائی نہیں جا سکتی کہ ذات کو صفات کا اس سے خالی ہونا

لازم آئے گا جو حال ہے پس دونوں لازم و ملزوم ہوئے۔ اسی کو لامین و لا غیر کہتے ہیں جن صفات البیہ زمین ذات پرمانہ غیر ذات میں۔

## بحیر

صرف فعل کی تخلیق میں بلکہ ارادہ فعل میں بھی بندہ کا خود کو غیر محتار ماننا عقیدہ بحیر ہے۔ اس عقیدہ کی دوسرے سارا نظام شریعت اور قانون جزا و سزا باطل ٹھیرتا ہے یہ صریح گمراہی اور اسلام سے دوری ہے۔

## قدر

صرف ارادہ فعل میں بلکہ اپنے ہر فعل کی تخلیق میں بندہ کا خود کو مختار ماننا عقیدہ قدر ہے۔ یہ بھی قرآن کے خلاف ہے کیونکہ قرآن بندہ کو نہیں بلکہ اللہ کو افعال کا خالق قرار دیتا ہے، بندہ غرض کہ سب افعال ہے) وَاللّٰهُ خَلَقَ مَا تَعْمَلُونَ

یعنی اللہ نے پیدا کیا تمہیں بھی اور تمہارے افعال کو بھی، عقیدہ قدر بھی صرف غیر اسلامی بلکہ عقل و مشاہدہ کے اعتبار سے بھی ضحکہ خیز ہے کیونکہ یہ تو بات دن کا تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ بندہ اپنے کئے کی رادوں میں ناکام اور حسرت زدہ رہ جاتا ہے۔

## الجزء الذی لا یمتزجی

لفظی معنی تو ہے جس کو ایسا جزو جس کی مزید تقسیم ناممکن ہو اور اصطلاح

میں جو درجہ پہنچتی ہیں کو جوہر فرمایا سطر جوہر ہے جس کے ہر حصہ میں ایک ایسی شے جو ہر حصہ میں کی تصویر خود وہ گہرائی میں غائی تصویر ہو یا دوسری زحانی کسی نوعیت کی بھی تصویر کو وہ جوہر قبول نہ کرے تب ہمیں اس اجزاء سے جوہر کو تیار کرنے میں اور غلطی نہ ہو کہ ہر حصہ میں اس کو باطن قرار دیتے ہیں۔

## طہرہ

عربی میں طہرہ رنگ لگانے کے ہیں اور اس طرح میں سے ایک حصہ جوہرہ فیتہ و اجزائے مساوات کو طہرہ کہتے ہیں آخری حد پہنچنے پر جب کہ مسافت کے درمیانی حصوں سے اور ان کے محاذ و متناہات سے اس کو ٹکڑے ٹکڑے نظام طہریں کے سوا غلط سمجھیں کوئی کر رہے بھی اس کا قائل نہیں۔

## رویت

آئینہ سے دیکھنا رویت کہتی ہے اور قلب سے دیکھنا رویت

نہیں رویت ملتی رہتا ہے استطاعت مع الفعل

”استطاعت“ ایک حقیقت ہے جو ہر جاندار میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی ہے اور اس سے اعتباری افعال سرزد ہوتے ہیں اور کسی کو اس کے کرنے یا نہ کرنے کی قدرت حاصل رہتی ہے معتزلہ اس بات کے قائل ہیں کہ ایک جاندار میں یہ استطاعت فعل کے پہلے ہی سے موجود رہتی ہے لیکن مشاہدہ اس کے بعد اس بات کے قائل یہ کہ استطاعت پہلے سے موجود نہیں رہتی بلکہ میں فعل کے وقت تک رہتی ہے کی کو وہ استطاعت مع الفعل اسے تسلیم

کرتے ہیں۔

# مُفکّر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی چند اہم شاہکار تصنیفات

|                                             |                 |
|---------------------------------------------|-----------------|
| تاریخ دعوت و عزیمت تکمیل                    | نبی رحمت علی    |
| مسلیم الکرامین اسلامیت مغربیہ کی کشف        | پُرانے حیران کن |
| انسانی خیال پر مسلموں کی فروع و ردال کا اثر | نقوش اقبال      |
| منصب نبوت اور ائمہ کے عالی مقام کا بیان     | ارکان اربعہ     |
| دنیا کے کابل سے دیارے پر توحید تک           | کاروان مدیت     |
| جس ایمان کی بہت آرائی                       | قادیانیت        |
| حجاز مقدس اور جزیرۃ العرب                   | ذکر خیر         |
| معشرہ کرایمان و عتازت                       | تعمیر انسانیت   |
| نئی دنیا (امریکہ) میں صاف صاف باتیں         | ضمیمہ باہلی دل  |
| عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح           | حدیث پاکستان    |
| مغرب کے کچھ صاف صاف باتیں                   | پاجا سراج زندگی |
| ترکیہ و احسان یا تصوف و سلوک                | اصلاحیات        |

پیشہ - فضل ربی ندوی — فون - ۶۱۱۸۱۷  
مجلس نشریات اسلام ناظم آباد مینشن ۱۷ کے ۳۰ قلم آباد کراچی ۷۵